ماہنامہ
لاہور
جہانِ رضا
بیاد مجددِ دین و ملت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ
مجلسِ رضا
مرکزی
MARKAZI MAJLIS-E-REZA

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

بانی مجلس رضا: حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ
بانی ماہنامہ: حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ایڈیٹر: محمد منیر رضا قادری

جلد ۲۱ رمئی ۲۰۱۵ء / رجب المرجب ۱۴۳۶ھ شمارہ ۲۱۴

نمبر شمار	عنوان	رشحاتِ قلم	صفحہ نمبر
۱-	اشکِ ندامت	سعید بدر	۲
۲-	بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی	۳
۳-	عہد حاضر میں فکر رضا کی معنویت	مبارک حسین مصباحی	۸
۴-	سائنسی نظریات پر اعلیٰ حضرت کی تحقیقات	سلیم شہزاد رضوی	۱۹
۵-	امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق عبادت	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۳۴
۶-	آہ شاعر اہل سنت (طارق سلطانپوری)	سیّد صابر حسین شاہ بخاری قادری	۵۰

قیمت فی شمارہ: -/30 روپے سالانہ چندہ -/300 روپے

مرکزی مجلس رضا

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور 0333-4701081

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتا: **مسلم کتابوی**، گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ، لاہور۔

Email:muslimkitabevi@gmail.com, 042-37225605, 0321-4477511

اشکِ ندامت

سعید بدر

خوشا! اشک ندامت جو گنہگاروں کے کام آیا
اچانک ان کی جانب سے حضوری کا پیام آیا

میں اس قابل نہ تھا ہرگز مگر ان کی عنایت ہے
کہ آخر خود بخود مجھ تک ان کا دور جام آیا

''سن! اے میری غریبی کا تماشا دیکھنے والے''
نہ ہوں قسمت پہ کیوں نازاں؟ مجھے ان کا سلام آیا

اگرچہ مبتلائے گمرہی میں بھی رہا برسوں
مگر آنکھوں سے خوں ٹپکا جو لب پر ان کا نام آیا

متاعِ زیست ہے بس درد و سوز و آرزو مندی
یہی تھا زادِ راہ اپنا جو درویشوں کے کام آیا

بہت مایوس تھا لیکن خدا کی خاص رحمت ہے
محمد کی غلامی کا ہے نامہ میرے نام آیا

محمد کی غلامی ہے شہنشاہی و فغفوری
غلام ان کا ہمیشہ ہر جگہ سے شاد کام آیا

شہادت میرے دعویٰ کی قتیبہ اور طارق ہیں
محمد ابن قاسم ہند میں ماہ تمام آیا

مجھے بھی بخشش دیں مولیٰ سند اپنی غلامی کی
میں چند آنسو لئے، اے سید والا مقام آیا

بروز حشر جب وہ نامۂ اعمال دیکھیں گے
''کہیں گے اس کو آنے دو'' محمد کا غلام آیا

بہت مظلوم ہو بیشک مگر آہ و بکا کیوں ہے؟
سنبھل اے دل! ادب لازم! درِ خیر الانام آیا

''ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر''
جہاں پر سر جھکائے باادب، ہر خاص و عام آیا

یہ وہ دربار ہے جس پر فلک بھی سرنگوں دیکھا
جہاں جبریل جب آیا، بہ عجز و احترام آیا

یہاں آ کر اگر کوئی بلند آواز سے بولا
قسم اللہ کی وہ شخص، بے نیل مرام آیا

گلستان زمن میں گو ہزاروں تھے گل و لالہ
خلوص و مہر کا غنچہ، نہ کوئی میرے کام آیا

میرے آقا! میرے مولا! میرے ملجا! میرے ماویٰ
گرفتار الم بدر حزیں، بہر سلام آیا

بارگاہ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دل فدائے تو یا رسول اللہ
سینہ جائے تو یا رسول اللہ

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

آج دل چاہتا ہے کہ آپ کو اس بارگاہ میں لے چلوں جو ایسی ''ادب گاہ'' ہے جو عرش سے بھی بلند تر اور نازک تر ہے۔ اس دیار میں لے چلوں جہاں ''جنید و بایزید'' جیسی بلند پایہ ہستیاں ''نفس گم کردہ'' حاضر ہوتی ہیں۔ اس ''گنبد خضرا'' کے سایہ میں لے چلوں جہاں ہر روز ''ستر ہزار فرشتوں کی ٹولیاں'' قطار در قطار حاضری دیتی ہیں۔ جنت کی ان کیاریوں ''ریاض الجنۃ'' میں لے چلوں جہاں سارے عالم کے ''عاشقان سوختہ'' سر جھکائے پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔ ''مواجہہ شریف'' کی ان قطاروں میں لا کھڑا کروں جہاں پرنم آنکھوں والے ''دم بخود'' ہو کر ان سنہری جالیوں پر نگاہ شوق ڈالتے ہوئے لبوں پر

ترحم یا رسول اللہ! ترحم!

کا ورد کرتے ہوئے اپنے محبوب، پھر محبوب کے دو محبوبوں کی زیارت کی تمنا میں تڑپتے دکھائی دیتے ہیں۔ میں آپ کو باب جبرئیل (جہاں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لیے داخل ہوا کرتے تھے) سے نکال کر ''قدمین شریفین'' میں لا بٹھاؤں۔ اگر آپ اپنے اردگرد ایک نگاہ اٹھا کر دیکھیں گے تو آپ کو ''جاروب کشوں میں چہرے لکھے ہیں ملوک کے'' کا منظر سامنے نظر آئے گا۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ

لب وا ہیں، آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں

کا ایک مجمع ہے۔ آپ کا یہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہے گا مگر آپ میرے ساتھ چلیں تو میں آپ کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے

گھر کی شمالی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے لے چلوں اور ''صفہ'' کے مقام پر لا بٹھاؤں گا جہاں حضور پاک کے پیارے ستر اصحاب حضور سے قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔ آپ چند لمحوں کے لیے ''اصحاب صفہ'' کے ہم جماعت بننا چاہیں تو قرآن پاک کھول کر چند لمحے بیٹھ جائیں اور چند صفحات کی تلاوت کریں پھر مسجد نبوی، مسجد نبوی کے دروازے، مسجد نبوی کے برآمدے، مسجد نبوی کی وسعتیں، مسجد نبوی کے توسیعاتی بازو! سبحان اللہ! سبحان اللہ! یہ ہے ''بارگاہ مصطفیٰ'' یہ ہے دربار مصطفیٰ اور یہ ہے ایوان مصطفیٰ جہاں بادشاہ فقیر دکھائی دیتے ہیں اور فقیر بادشاہ نظر آتے ہیں۔ جہاں ذرے آفتاب بنتے ہیں اور آفتاب ذرے بن کر جھکتے ہیں۔ جہاں پرغرور گردنیں جھک جاتی ہیں اور جھکے ہوئے سر اوج ثریا پر دکھائی دیتے ہیں۔

تمہاری خاک کے ذرے جو مہر و ماہ بنے

''بارگاہ نبوی'' کے کئی انداز ہیں۔ مسجد نبوی کی وسعت دراصل ایوان مصطفیٰ کی وسعت ہے اور ایوان مصطفیٰ ہی حرم نبوی ہے اور حرم نبوی ہی دربار رسول ہے۔ اس دربار رسول کی حاضری سے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف اور حرم پاک کے مناسک کی ادائیگی حقیقت میں دربار رسول کی حاضری کی تیاری کی ایک روایت ہے۔

دیر و حرم بھی کوچۂ جاناں میں آئے تھے

''کوچۂ جاناں'' تک رسائی کے لیے ان منازل کو طے کرنا اہل محبت کے لیے واجب ہے۔ بقول فاضل بریلوی

کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

یوں تو کعبے کے کعبے، قبلے کے قبلے میں آنے کے ہزاروں راستے ہیں۔ بارگاہ نبوی کی حاضری کی سینکڑوں راہیں ہیں، بیسیوں دروازے ہیں مگر دل چاہتا ہے کہ آج ہم ''باب مجیدی'' سے داخل ہو کر ''مسجد نبوی کی وسعتوں'' میں سے گزرتے ہوئے حاضری دیں۔ گنبد خضراء نظروں کے سامنے ہو۔ قبلہ رخ ہو کر عاشقان رسول کے مجمعے سے گزرتے جائیں اور اس کھلے صحن میں جا پہنچیں جہاں تک ترکوں کے بنائے ہوئے محرابی برآمدے نظر آنے لگتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھیں تو ''گنبد خضراء'' اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ اہل عشق و محبت کے قلب جگر کو ایمان وایقان کی ٹھنڈکیں بخشتا ہے اور زبان سے بے اختیار الصلوٰۃ والسلام علیک یا

رسول اللہ پھوٹ پڑتا ہے۔ آگے بڑھیں، قدم قدم آگے بڑھیں، رک رک کر قدم اٹھائیں، سوچ سوچ کر قدم رکھیں۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

اہل محبت کس انداز سے قدم بڑھاتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی کیفیت ہوتی ہے۔ نہ تحریر میں آسکتی ہے۔ نہ تقریر میں۔ نہ مضمون میں سما سکتی ہے۔ نہ بیان میں۔ چاروں طرف نورانی چہرے، دائیں بائیں اہل محبت کے جمگھٹے، آگے پیچھے عاشقان رسول کا سمندر، آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے جائیں، پلکوں کے بل چلتے جائیں، آپ ''ریاض الجنۃ'' جنت کی کیاریوں میں پہنچ کر رک جائیں۔ بارگاہ رسول تک رسائی کے شکرانے کے طور پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں سجدہ ریز ہو جائیں۔ نوافل ادا کریں۔ رو رو کر اللہ کا شکر بجالائیں۔

اصل مراد حاضری ''اس پاک در'' کی ہے

جنت کی ان کیاریوں میں اہل محبت کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے، نوافل ادا کرنے والوں کا، صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کا، قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں کا، پرنم آنکھوں سے لبیک یا رسول اللہ کہنے والوں کا، آہوں اور سسکیوں کے درمیان ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' کہنے والوں کا، اس ہجوم میں عربی عجمی، کالے گورے، چھوٹے بڑے، امیر غریب، مشرقی و مغربی، شمالی وجنوبی غرضیکہ ہر رنگ، ہر نسل کے اہل محبت ڈیرے جمائے بیٹھے ہیں۔

اے ترا با ہر کسے رازے دگر   ہر گدا را بر درت نازے دگر

ادب کی یہ حکمرانی کہ مجال ہے کوئی آواز بلند، ربط کا یہ عالم کہ ایک کی بات دوسرا نہیں سن پاتا۔ ''جنید و بایزید دم بخود ہیں'' فرشتے پر نہیں مار سکتے۔ آنسو گرتے ہیں مگر دیدۂ تر کو خبر نہیں ہوتی۔ جگر سے غم روزگار کے کانٹے نکلتے جاتے ہیں مگر جگر کو خبر نہیں ہوتی

کانٹا میرے جگر سے غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو
اے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

میں نے ''ریاض الجنۃ'' میں ایک دیو قامت حبشی کو پھیلے ہوئے دیکھا۔ میرا دل چاہا کہ اس کے پہلو میں بیٹھ کر درود وسلام پڑھوں مگر وہ کسی کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔ سیاہ کالا، دیو ہیکل جسم، پہلوانوں کا پہلوان، رنگ کالا مگر دل روشن، دراز قد مگر گردن خمیدہ، ڈراؤنی صورت مگر دل میں عشق مصطفیٰ کی شمع فروزاں، مجھے حضور کا بلال یاد آ گیا، دل میں کہا، بلالی ہے۔ یا رسول اللہ! آج میں آپ کے بلال کے پہلو میں بیٹھنا چاہتا ہوں مگر یہ کالا پہاڑ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا، فوراً میری درخواست قبول ہوئی، اس حبشی نے پہلو بدلا، مجھے اپنے ساتھ لگا لیا، جگہ دی، بٹھا لیا۔ میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے، اس نے دیکھا تو میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ کندھوں پر تھپکی دی، تسلی دی اور اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ وہ محبت کا پہاڑ تھا، وہ شفقت کا دریا تھا، وہ عشق مصطفیٰ کا امین تھا۔ وہ سمٹتا گیا اور میرے لیے جگہ بناتا گیا۔ میں آسودہ ہو کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ''دلائل الخیرات'' کا ایک قلمی مگر قدیم نسخہ تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا، اس نے پڑھنے کے لیے مجھے یہ نسخہ عطا فرما دیا۔ میں ''دلائل الخیرات'' پڑھتا گیا، پڑھتا گیا، جھومتا گیا، میں حضور کی بارگاہ میں کئی گھنٹے بیٹھا رہا۔ ساری ''دلائل الخیرات'' مع اضافات پڑھ گیا، وہ میری آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو دیکھتا تو بار بار میرے کندھوں پر تسلی کے لیے شفقت کا ہاتھ رکھتا۔ مجھے خیال آیا کہ میرے رسول کی محبت کی حکمرانیاں کالے گوروں پر یکساں ہیں۔ دنیا کے ویرانوں میں شمع شبستان مصطفیٰ جگمگا رہی ہے۔ ہر دل میں عشق مصطفیٰ کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ تمام دل روشن ہو رہے ہیں اور آنکھیں اشکباری کر رہی ہیں

دیدہ جائے تو یا رسول اللہ
دل فدائے تو یا رسول اللہ

میں نے ''دلائل الخیرات'' اس کے حوالے کر دی۔ ''مواجہہ شریف'' کی طرف بڑھا۔ ''ریاض الجنۃ'' (جنت کی کیاریوں) سے نکل کر میں نے اپنے حبشی کو ایک بار پلٹ کر دیکھا تو اس کی نظریں مجھ پر تھیں۔ میں آگے بڑھا۔ ''ریاض الجنۃ'' پیچھے رہ گئی تھی۔ میں ''قاسم الجنۃ'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے کھڑا تھا

تیری گلی کو چھوڑ کر باغ جناں میں جائے کون؟
نقد ملے جو مدعا وعدے پہ جی لگائے کون؟

میں ''مواجہہ شریف'' میں تھا۔ رکتا مگر دوسروں کا خیال آتا۔ جالی کا بوسہ لینے کو گردن لمبی کی۔ لب وا ہوئے تو ''نجدی مطوی'' لالا (نہیں نہیں) کرنے لگا

تیری خیر ہووے پہرے دارا
روضے دی جالی چم لین دے

دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ''دوسرا'' نجدی مطوی چلا اٹھا۔ حرام! حرام! میں نے ہاتھ چھوڑ دیئے، جھولی پھیلا دی اور دل میں کہا، ہاتھ نہیں تو جھولی سہی، سلام پیش کیا، صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ پیش کیا، آنسوؤں کا نذرانہ گزارا۔ ادب نے آنسو روک دیئے، فغاں گلے میں آ کر رک گئی

گوش شه است نازك تاب فغاں ندارد!

آنکھیں کھل گئیں، سنہری جالیوں کا ذرہ ذرہ نظر نواز ہوا۔ اللہ کے محبوب کا گھر دیکھا۔ دو قدم آگے بڑھا، یار غار (سیدنا صدیق اکبر) کا گھر دیکھا۔ ایک قدم اور اٹھایا تو اپنے باپ فداہ امی وابی (سیدنا عمر فاروق) کا گھر دیکھا۔ قدم بڑھتے گئے، لب خاموش رہے، آنکھیں کھلی کی کھلی رہیں، زبان سے کچھ نہ کہہ سکا

رکھ رکھاؤ اس آنکھ کا دیکھ
چپ کی چپ اور بات کی بات

میں ہجوم عاشقان رسول کے ساتھ چلتا ہوا، باب جبریل سے باہر نکلا تو حضرت ایوب انصاری کے گھر کی دیوار کا سہارا لیتے ہوئے قدمین شریفین پر جا کھڑا ہوا۔ سر جھکا کر خوب رویا، روتا رہا اور روتا رہا بے خود ہو کر

سارے جہاں کو بھول گیا تیری یاد میں

ہوش آیا تو باب النساء سے گزر کر اصحاب صفہ کے مدرسہ میں جا بیٹھا۔ قرآن اٹھایا، تلاوت کی اور ہجر و فراق کے زخم مندمل ہو گئے۔

عہد حاضر میں فکر رضا کی معنویت

مبارک حسین مصباحی

مفکر و مجدد امام احمد رضا قدس سرہ العزیز (م: ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) اپنے عہد میں برصغیر کے سب سے بڑے دینی پیشوا اور ملی رہنما تھے، انہوں نے اسلام وسنیت کے تحفظ اور فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ امت مسلمہ کا اتحاد اور اس کی فلاح ونجات ان کی فکر کا خاص محور تھا، وہ عشق رسول کے نقطۂ اتحاد پر عالم اسلام کو ہم قدم اور ہم فکر کرنا چاہتے تھے۔ وہ بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے جانے کے زبردست داعی تھے، وہ امت مسلمہ کی کامیابی کا راز دین مصطفیٰ، علم مصطفیٰ اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مضمر سمجھتے تھے۔ اسی فکر کے داعی شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال بھی تھے۔

بمصطفی به رساں خوش را که دیں همه اوست
اگر به او نه رسیدی تمام بولهبی است

امام احمد رضا بلاشبہہ عظیم مجدد، عظیم فقیہ اور عظیم دانش ور تھے۔ وہ امت مسلمہ کے داخلی اور خارجی مسائل ومشکلات پر حساس نظر رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی حالت زار پر آنسو بھی بہاتے تھے۔ اور ان کی فلاح ونجات کے لیے تدبیریں بھی پیش کرتے تھے۔ ان کی فکر ونظر کا محور یہی تھا کہ اسلامی تہذیب دنیا کی ہر تہذیب پر غالب ہو اور مسلم قوم دنیا کی ہر قوم سے بلند تر ہو۔ دین و مذہب، سیاست وصحافت، معیشت ومعاشرت، تعلیم وتجارت، وہ ہر میدان میں مسلمانوں کو سرخرو اور پیش رو دیکھنا چاہتے تھے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے انہوں نے مسلسل جدوجہد کی۔ امت مسلمہ کو بار بار جھنجھوڑا، علماء اور قائدین کو بیدار کیا اور انہیں ان کی منصبی ذمہ داریوں سے باخبر کیا، ان کی کوتاہیوں پر زجر وتوبیخ فرمائی، منصوبے بنائے، خطوط عمل طے کیے، باہمی اتحاد کے لیے قرآن و احادیث سے دلائل دیے۔ نفرت وبے زاری کا ماحول ختم کرنے کے

لیے شرعی احکام سپرد قلم کیے۔ امام احمد رضا کے افکار ونظریات پر اب ایک صدی مکمل ہونے کو ہے، مگر اس دور اندیش مفکر کے افکار کی معنویت آج بھی اسی طرح باقی ہے، جس طرح ان کے عہد میں تھی، بلکہ بعض نظریات کی معنویت تو آج عہد رضا سے بھی سوا نظر آتی ہے، امام احمد رضا کے افکار ونظریات گردوپیش کے حالات کا نتیجہ نہیں تھے کہ عشرے دو عشرے میں اپنی معنویت کھودیتے بلکہ ان کے افکار ونظریات قرآن وحدیث سے کشید تھے، جن پر حوادث روزگار کے گرد کی پرتیں بے اثر ہوتی ہیں بلکہ قرآن وسنت کے حقیقی جلوے جب عمل کے میدان میں درخشاں ہوتے ہیں تو حوادث روزگار خود اپنا رُخ بدل دیتے ہیں۔

اس وقت اہل سنت و جماعت کے درمیان سخت انتشار ہے، علمائے کرام اتحاد کی فضا ہموار کرسکتے تھے، لیکن ان کا ایک طبقہ خود اختلافات کو ہوا دے رہا ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف زبان وقلم کا بے جا استعمال کیا جارہا ہے۔ حالانکہ آج اہل سنت کے درمیان اتحاد واتفاق کی سخت ضرورت ہے۔ عالمی سطح پر اسلام کے خلاف منظم اور مسلسل سازشیں ہورہی ہیں، دوسری جانب غیر اہل سنت اہل سنت کے خلاف پیہم شرانگیزی کررہے ہیں۔ امام احمد رضا کے عہد میں امت مسلمہ کی جو حالت تھی، آج بھی اس سے بہتر نظر نہیں آتی۔ امام اہل سنت قدس سرہ کو بھی اس کا شدید احساس تھا۔ آپ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’خالص اہل سنت کی ایک قوت اجتماعی کی ضرور ضرورت ہے، مگر اس کے لیے تین چیزوں کی سخت حاجت ہے۔ (۱) علماء کا اتفاق۔ (۲) تحمل شاق قدر بالطاق۔ (۳) امرا کا انفاق لوجہ الخلاق۔ یہاں یہ سب مفقود ہیں۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲،ص:۱۳۲)

علمائے کرام کے عدم اتفاق کی بنیادی وجہ امام احمد رضا حسد قرار دیتے ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ آج بھی علماء کے اختلاف وانتشار کی بنیادی وجہ حسد ہی ہے۔ فلاں شخص عوام وخاص میں مقبول ہے، ہم کیوں نہیں۔ فلاں تحریک و ادارہ عوام وخواص کا مرکز توجہ ہے، ہمارا کیوں نہیں۔ ظاہری بات ہے ان چیزوں کا برسرعام اظہار تو کیا نہیں جائے گا، لیکن جب سینے کی آگ سے دل کے پھپھولے جلتے ہیں تو نفرتوں کی لپٹیں اُٹھتی ہی ہیں اور پھر شروع ہو جاتا ہے ایک دوسرے کی شخصیتوں، تحریکوں اور اداروں پر طرح طرح کے الزامات عائد کرنے کا سلسلہ۔

امام احمد رضا قدس سرہ علماء کے انتشار کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اتفاقِ علماء کا یہ حال کہ حسد کا بازار گرم، ایک کا نام جھوٹوں بھی مشہور ہوا تو بہتیرے سچے اس کے مخالف ہو گئے، اس کی توہین تشنیع میں گمراہوں کے ہم زبان بنے کہ ''ہیں'' لوگ اسے پوچھتے ہیں اور ہمیں نہیں پوچھتے۔ اب فرمائیں کہ وہ قوم کہ اپنے میں کسی ذی فضل کو نہ دیکھ سکے، اپنے ناقصوں کو کامل، قاصروں کو ذی فضل بنانے کی کیا کوشش کرے گی۔ حاشا یہ کلیہ نہیں مگر للاکثر حکم الکل'' (فتاوی رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۳۳)

امام احمد رضا کی اس تحریر کی روشنی میں ہم اپنے عہد کے علماء کا اختلافی چہرہ بخوبی پہچان سکتے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اگر بدمذہبوں سے لغزشیں صادر ہوں تو انہیں چھپایا نہ جائے تاکہ عوام ان سے بیزار ہوں اور اسی بہانے مسلم سماج ان کے گمراہ کن عقائد ونظریات سے بھی محفوظ رہے۔ لیکن اگر علمائے اہل سنت میں سے کسی سے کوئی لغزش فاحش صادر ہو تو اسے بالمشافہ یا دیگر ذرائع سے باخبر کیا جائے، شرعی نزاکتوں سے آگاہ کر کے توبہ ورجوع کی تلقین کی جائے، نہ یہ کہ صاحب معاملہ سے تو کچھ نہ کہا جائے، بلکہ اس کی مقبولیت ختم کرنے کے لیے اس کے خلاف بے سروپا محاذ کھول دیا جائے۔ اندھیرے اجالے اس کی حیثیت عرفی مجروح کرنے کے لیے نت نئے ہتھکنڈے استعمال کیے جائیں۔ عہد حاضر کی اس پوری صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے ہم ذیل میں امام احمد رضا قدس سرہ کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں اور فیصلہ آپ کے ضمیر اور ایمان کی آواز پر چھوڑتے ہیں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''باطل کا اعدام وافنا چاہئے نہ کہ تحفظ وابقا، بدمذہبوں گمراہوں سے جو اباطیل خارج از مسائل مذہب واقع ہوں ان کی اشاعت مصلحت شرعی ہے کہ مسلمانوں کا ان پر سے اعتبار اٹھے۔ ان کی ضلالات میں بھی اتباع نہ کریں۔ حدیث شریف میں ہے:

''اترغبون عن ذکر الفاجر متی یعرفہ الناس اذکروا الفاجر بما فیہ یحذرہ الناس''

کیا فاجر کی برائیاں بیان کرنے سے پرہیز کرتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گے، فاجر میں جو برائیاں ہیں بیان کرو کہ لوگ اس سے حذر کریں۔

اور اہل سنت سے بتقدیرِ الٰہی جو ایسی لغزشِ فاحش واقع ہو، اس کا اخفا واجب ہے کہ معاذ اللہ لوگ ان سے بداعتقاد ہوں گے تو جو نفع ان کی تقریر اور تحریر سے اسلام وسنت کو پہنچتا ہے اس

میں خلل واقع ہوگا۔ اس کی اشاعت اشاعت فاحشہ ہے۔ اور اشاعت فاحشہ بنصِ قرآن عظیم حرام۔ قال اللہ تعالیٰ:

''اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ''

جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں فاحشہ کی اشاعت ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

خصوصاً جبکہ وہ بندگان خداحق کی طرف بے کسی عذر و تامل کے رجوع فرما چکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''من عیر اخاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ قال ابن المنیع وغیرہ المراد ذنب تاب عنہ، قلت وقد جاء کذا مقیداً فی الروایة کمافی ''الشرعة'' ثم ''فی الحدیقة الندیة۔''

جس نے اپنے بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عار دلایا، وہ مرنے سے قبل اسی گناہ میں ضرور مبتلا ہوگا۔ ابن منیع وغیرہ کہتے ہیں کہ گناہ سے مراد وہ ہے کہ اس سے توبہ کر لی گئی ہو۔ میں کہتا ہوں شرعہ اور حدیقہ میں روایت میں ہی توبہ کی قید لگی ہوئی ہے۔

والہذا بتاکید گزارش کہ عمائد ومشاہیر علمائے اہل سنت و جماعت جس امر میں متفق ہیں، یعنی عقائد متہورہ متداولہ ان میں ہمارے عام بھائی بلا دغدغہ ان کے ارشادات پر عامل ہیں۔ یوں ہی وہ فرعیات جو اہل سنت اور ان کے مخالفین میں مابہ الامتیاز ہو رہے ہیں جیسے مجالس مبارک وفاتحہ وعرس واستمداد وندا وامثالہا...... باقی رہیں ''فرعیات فقہیہ'' جن میں وہ مختلف ہو سکتے ہیں، خواہ بسبب اختلاف روایات، خواہ بوجہ خطائی الفکر یا بسبب عجلت وقلت تدبر یا بوجہ کمی ممارست ومزاولتِ فقہ، ان میں فقیر کیا عرض کرے

مرا سوزیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگردم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

(فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۳۰)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بدمذہبوں کی تردید اوران کی خامیوں کوطشت از بام کرنا بہرصورت لازم ہے کہ عوام وخواص ان سے دور رہیں۔ بفضلہ تعالیٰ علمائے اہل سنت ان پر آج بھی کاربند ہیں۔

امام احمد رضا نے دوسری بات بطور خاص یہ تحریر فرمائی ہے کہ علمائے اہل سنت سے اگر بہ تقدیر الٰہی لغزش فاحش سرزد ہوجائے تو اس کی پردہ پوشی ضروری ہے، کیونکہ علمائے اہل سنت جو تحریر وتقریر سے دعوت دین اور فروغ سنت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، ان کی لغزشوں کو مشتہر کرنے کی صورت میں لوگ ان علماء سے کنارہ کش ہوں گے، اس طرح ان کی باتوں سے اعتماد اٹھے گا، اور وہ تحریر اور تقریر کے ذریعہ جو خدمت انجام دے رہے ہیں سخت متاثر ہوگی۔ لہٰذا مسلک اعلیٰ حضرت یہی ہے کہ معمولی معمولی لغزشوں کو لے کر اہل سنت کے علماء ومشائخ کی پگڑیاں نہ اچھالی جائیں۔

بلکہ اعلیٰ حضرت نے حدیث رسول سے یہ بھی بیان فرمایا کہ جولوگ کسی ایسے گناہ کی وجہ سے جس سے وہ توبہ کرچکا ہو، اپنے سنی بھائی کی مضحکہ خیزی کرتے ہیں مرنے سے پہلے وہ خود بھی اس گناہ میں مبتلا ہوں گے۔ الامان والحفیظ۔ آج بہت سے علماء بے تحقیق دوسرے علماء کی لغزشوں کا اعلان کرتے پھرتے ہیں، یہ بھی انتہائی شنیع حرکت ہے۔ ہمیں اس قسم کی حرکتوں سے باز رہنا چاہئے۔ امام احمد رضا ایک مقام پر فرماتے ہیں:

’’امام محمد غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کسی کبیرہ کی طرف بے تحقیق نسبت کرنا حرام ہے۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ، ج:۵،ص:۵۸۲)

اسی طرح امام احمد رضا قدس سرہ نے دعوت وتبلیغ کی تخفیف اور تضحیک کرنے والوں کے لیے شریعت اسلامیہ کی سخت وعید سنائی ہے۔ امام اہل سنت فرماتے ہیں۔

’’امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ اس میں رکھا ہی کیا ہے تو اس کو تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرنا چاہئے۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ، ج:۵،ص:۱۱۷)

اس مقام پر ایک خاص بات یہ ہے کہ جب علمائے کرام سے کہا جاتا ہے کہ آپ لوگ فلاں تحریک وادارے یا فلاں شخص کی مخالفت کیوں کررہے ہیں تو بلا دلیل فرماتے ہیں وہ تو خارج از اسلام ہے۔ فلاں تحریک تو وہابی تحریک ہے، یا فلاں شخص تو صلح کلی ہے۔ ہم بڑے

ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جو ضروریات دین میں سے کسی شے کا منکر ہو باجماع مسلمین یقیناً قطعاً کافر ہے۔ اگر چہ کروڑ بار کلمہ پڑھے مگر اس کی وضاحت تو کردی جائے کہ فلاں شخص نے ضروریات دین میں سے فلاں چیز کا انکار کیا ہے۔ اور اگر واقعی ایسا ہے تو علمائے کرام کو بہ اتفاق رائے فیصلہ صادر کرنا چاہئے تاکہ جماعتی انتشار ختم ہو اور معاملہ یک طرفہ ہو۔ اور اگر معاملہ ایسا نہیں ہے تو کسی سنی عالم کو یا کسی سنی تحریک اور ادارے کو صلح کلی، وہابی یا خارج از اسلام کہنے میں سخت احتیاط کرنی چاہئے۔ سنی سنائی باتوں پر بلا تحقیق کسی کو مجرم مان کر اس پر سخت حکم شرعی نافذ کردینا فتویٰ نویسی کے تقاضوں کے منافی ہے اور ذمہ دار علماء کو یہ زیب نہیں دیتا۔ ہم اس حوالے سے بھی امام احمد رضا قدس سرہ کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ امام اہل سنت فرماتے ہیں:

’’فرض قطعی ہے کہ اہل کلمہ کے ہر قول وفعل کو اگر چہ بظاہر کیسا ہی شنیع وفظیع ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں اگر کوئی ضعیف سے ضعیف، نحیف سے نحیف تاویل پیدا ہو، جس کی رو سے حکم اسلام نکل سکتا ہو تو اس کی طرف جائیں، اور اس کے سوا اگر ہزار احتمال جانب کفر جاتے ہوں خیال میں نہ لائیں۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲،ص:۳۱۷)

اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں:

’’حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: كفوا من اهل لا اله الا الله لا تكفروهم بذنب فمن اكفر اهل لا اله الا الله فهو الى الكفر اقرب .

لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں سے زبان روکو، انہیں کسی گناہ پر کافر نہ کہو، لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو جو کافر کہے وہ خود کفر سے نزدیک تر ہے۔‘‘ (المعجم الکبیر، ج:۱۲،ص:۲۷۲)

امام احمد رضا قدس سرہ اس کے بعد ایک دوسری حدیث نقل فرماتے ہیں:

’’حدیث میں ہے، تین باتیں اصل ایمان میں داخل ہیں، لا الٰہ الا اللہ کہنے والے سے باز رہنا اور اسے گناہ کے سبب کافر نہ کہا جائے اور کسی عمل پر اسلام سے خارج نہ کہیں۔‘‘

(فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲،ص:۳۱۸)

اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں:

’’ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ وغیرہ ائمہ دین فرماتے ہیں، جو کسی مسلمان کی نسبت یہ

چاہے کہ اس سے کفر صادر ہو، وہ کفر کرے یا نہ کرے، یہ ابھی کافر ہو گیا کہ مسلمان کو کافر ہونا چاہا۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲،ص:۴۰۳)

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی ان عبارتوں کی روشنی میں اب ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اس مقام پر ہم ایک بار پھر یہ وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے اکابر نے جن کلمہ گو لوگوں کی تکفیر کی ہے، اس کی وجہ ان کا ضروریات دین میں سے کسی کا انکار ہے۔ اس لیے حسام الحرمین کی حقانیت وصداقت اپنی جگہ مسلم ہے۔

شاید ہم عہد حاضر کے ایک انتہائی حساس مسئلہ کو لے کر دیر تک الجھے رہے گفتگو ہو رہی تھی، اہل سنت و جماعت کے اتحاد اور ان کی اجتماعی قوت کی، یہ ایک سچائی ہے کہ اہل سنت کا کوئی مضبوط پلیٹ فارم نہیں۔ دین و دانش اور دعوت وتبلیغ کے مختلف صیغوں میں باصلاحیت افراد کی بھی ضرورت ہے اور کثیر سرمائے کی بھی۔ امام احمد رضا نے بھی اپنے عہد میں اسی کا رونا رویا ہے۔ اور عوام وخواص کو ان کی ذمہ داریوں کو بار بار یاد دلایا ہے، امام احمد رضا اپنے سائل سے خطاب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’جو آپ چاہتے ہیں اسی قوت متفقہ پر موقوف ہے جس کا حال اوپر گزارش ہوا۔ بڑی کمی امرا کی بے توجہی اور روپے کی ناداری ہے، حدیث کا ارشاد صادق آیا کہ ’’وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بے روپیہ کے نہ چلے گا۔‘‘ کوئی باقاعدہ عالی شان مدرسہ تو آپ کے ہاتھ میں نہیں، کوئی اخبار پرچہ آپ کے یہاں نہیں، مدرسین، واعظین، مناظرین، مصنفین کی کثرت بقدر حاجت آپ کے پاس نہیں۔ جو کچھ کر سکتے ہیں فارغ البال نہیں۔ جو فارغ البال ہیں وہ اہل نہیں۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲،ص:۱۳۳)

امام احمد رضا نے اہل سنت کے فروغ کے لیے جن چیزوں کی کمی کا احساس دلایا تھا، مکمل ایک صدی بیتنے کے باوجود بھی ہم ان خلاؤں کی مکمل بھرپائی نہ کر سکے۔ میڈیا کی ضرورت و اہمیت جتنی آج ہے اتنی اعلیٰ حضرت کے عہد میں ہرگز نہیں تھی، مگر واہ رے مرد دور اندیش۔ امام اہل سنت نے ایک صدی قبل میڈیا کی ضرورت واہمیت کو محسوس کیا تھا۔ آج ایک صدی گزرنے کے بعد بھی اہل سنت کا کوئی قابل ذکر ملکی اور عالمی سطح کا اخبار نہیں۔ خیر پہلے کے مقابل بیداری ضرور آئی ہے۔ چند رسائل بڑی پابندی سے اعلیٰ معیار کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں، دو ایک سنی

چینل بھی شروع ہوئے ہیں، مگر غیر مسلم اور غیر اہل سنت پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا میں اب کافی آگے جا چکے ہیں۔ ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑی جد وجہد کی ضرورت ہوگی۔ امام اہل سنت نے اپنے عہد میں ایک عظیم دار العلوم اور مختلف میدانوں کے مردان کار کی کمی کا بھی شدت سے احساس کیا تھا۔

امام اہل سنت نے اہل سنت کی اجتماعی قوت کے استحکام اور فروغ اہل سنت کے لیے جو دس نکاتی فارمولہ سپرد قلم فرمایا تھا۔ اس کی جتنی اہمیت عہد رضا میں تھی آج اس سے بھی زیادہ ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

’’**اول** عظیم الشان مدارس کھولے جائیں باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

ثانیاً طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

ثالثاً مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔

رابعاً طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔ یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین، کچھ مصنفین، کچھ مناظرین، پھر تصنیف ومناظرہ میں بھی توزیع ہو، کوئی کسی فن پر کوئی کسی پر۔

خامساً ان میں جو تیار ہوتے جائیں، تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً و تقریراً وعظاً ومناظرۃً اشاعت دین ومذہب کریں۔

سادساً حمایت (مذہب) وہ رد بدمذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

سابعاً تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کیے جائیں۔

ثامناً شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔ آپ سرکوبی اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین، رسالے بھیجتے رہیں۔

تاسعاً جو ہم میں قابل کار، موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے

فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

عاشراً آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بہ قیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔ میرے خیال میں تو یہ تدابیر ہیں، آپ اور جو کچھ بہتر سمجھیں افادہ فرمائیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۳۳-۱۳۴)

امام احمد رضا قدس سرہ کی یہ دس تدبیریں جماعت اہل سنت کی فلاح و بہبود کے لیے رہنما خطوط ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے ۱۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۰ھ میں کیے گئے ایک سوال کے جواب میں یہ دس نکاتی فارمولہ سپرد قلم فرمایا تھا۔ اب ۱۴۳۶ھ ہے اس مکمل ایک صدی میں ہم نے ان تدابیر رضا پر کتنا عمل کیا، ہمیں انتہائی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ان تدابیر پر عمل کریں۔ ہم یہاں تفصیل وتجزیہ سے گریز کرتے ہوئے اتنا ضرور عرض کریں گے کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس دس نکاتی فارمولے میں پیری مریدی کے تعلق سے کوئی تدبیر نہیں رکھی کہ پیران طریقت تیار کر کے ملک کے گوشے گوشے میں بھیجے جائیں۔ لیکن آج علمائے کرام اور مشائخ عظام کی اولین ترجیح پیری مریدی بن گئی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مفکر و مجدد امام احمد رضا "مشربی زعم تعصب کی بوالعجبیوں" سے قبل از وقت آگاہ تھے یہ ایک حقیقت ہے کہ آج اہل سنت میں ۹۹ فیصد اختلافات حلقۂ مریداں کے حوالے سے ہیں۔ میرے اس ریمارک پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام احمد رضا پیری مریدی کے مخالف تھے، یا ہم معاذ اللہ احسان وتصوف سے گریزاں ہیں۔ مسئلہ دراصل ان پیران عصر کا ہے جو احسان وتصوف کے حقیقی تقاضوں سے بہت دور دولت وعشرت کے گلیاروں میں ہاؤ ہو کی ضربیں لگا رہے ہیں، جن کا مطمع نظر ارشاد وتبلیغ سے زیادہ طلب زر ہے۔

امام احمد رضا کسی معمولی فکر و دانش کی حامل شخصیت کا نام نہیں تھا۔ لیکن افسوس ہم نے اپنی معمولی فکر و دانش کی روشنی میں امام احمد رضا کو پڑھا اور اسی نہج پر قوم تک قوم کے درمیان ان کا تعارف کرایا بلکہ عام طور پر ہمارے اسٹیجوں پر امام احمد رضا کے حوالے سے جو خطابات ہوتے ہیں ان کا عام طور پر لازمی تاثر یہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی پوری زندگی صرف رد بد مذہباں سے عبارت تھی، انہوں نے اس کے علاوہ کچھ کیا ہی نہیں۔ اور پھر یہی تاثر مخالفین بھی عوام و خواص میں پہنچاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اہل علم و دانش کے درمیان امام احمد رضا کی فکر و

شخصیت کا وہ تعارف نہیں ہو سکا جس کی وہ متقاضی تھی۔

امام احمد رضا بلاشبہہ عظیم مجدد و مفکر تھے۔ ان کی حساس نظر جماعتی مسائل پر بھی تھی اور مسلمانوں کے عالمی منظر نامے پر بھی، وہ ملی فلاح و بہبود کے بھی زبردست داعی تھے۔ ایک سچے قائد و پیشوا کی نظر صرف مسجد و مدرسے تک محدود نہیں ہوتی۔ اس کی نظر میں مسلمانوں کا ملی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی منظر اور پس منظر بھی ہوتا ہے۔ ایک عظیم مجدد اور مخلص مفکر کی منصبی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ امت مسلمہ کے ہر گوشۂ حیات پر نظر رکھے اور ان کے لیے بہتر خطوط فکر و عمل طے کرے۔ مسلمانوں کی اقتصادی صورت حال کے پیش نظر امام احمد رضا نے چار نکاتی پروگرام پیش کیا تھا، جسے ہم بلا تبصرہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"**اولاً:** باستثنا ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا، اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھر تانبا صناعی کی گھڑنت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولتے، سود شرع نے حرام فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب "کفل الفقیہ الفاھم" میں چھپ چکا ہے، ان جائز طریقوں پر بھی نفع لیتے کہ انہیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائیدادیں بنیوں کی نذر ہوتی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے، اگر مدیونی کی جائیداد ہی لی جاتی تو مسلمان ہی کے پاس رہتی، یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیئے چنگے۔

رابعاً: سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی

رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارجِ عالیہ پر پہنچایا، چار دانگ عالم میں اس کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نانِ شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا۔ اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں جاہِ ذلت میں گرایا۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲،ص:۱۷۷-۱۷۸)

سماجی اور اقتصادی بساط پر مسلمانوں کی فلاح وترقی کے لیے امام احمد رضا کا یہ چار نکاتی فارمولا آج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کل تھا۔ بلکہ آج جبکہ غیر اہل سنت اور غیر مسلم ان میدانوں میں شب خون مار کے بہت آگے بڑھ گئے ہیں، فکر رضا کی معنویت آج ماضی سے بھی زیادہ اہم ہوگئی ہے۔ بلاشبہ آج ضرورت ہے کہ (۱) مسلمان اپنے فیصلوں کے لیے دار القضاء قائم کریں، (۲) مسلمان صرف مسلمانوں سے خریدیں، (۳) مسلمان اسلامک بینکنگ نظام قائم کریں، (۴) مسلمان دین اسلام پر مکمل عمل کریں۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز ایک عبقری مفکر ومجدد تھے۔ امت مسلمہ کے سچے ہمدرد اور مخلص رہنما تھے۔ عصر حاضر کا تقاضا ہے کہ امام احمد رضا کی فکروں اور تدبیروں کو عام کیا جائے۔ ملت کا کارواں ان کے پیش کردہ خطوط کی روشنی میں آگے بڑھایا جائے، اسی میں ہماری دینی اور دنیوی فلاح وکامرانی ہے، اور یہی امام احمد رضا سے سچی محبت اور ان کی بارگاہ میں سچا خراج عقیدت ہے۔

سائنسی نظریات پر اعلیٰ حضرت کی تحقیقات

سلیم شہزاد رضوی

سرزمین پاک وہند پر تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ پھر انگریز تاجر بن کر آئے اور سازشوں کے ذریعہ حکمران بن بیٹھے۔ وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ مسلمانوں کی ترقی وبقا کا راز ان کے ایمان اور اتحاد میں مضمر ہے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی تمام تر توانائی اسی بنیاد کو کمزور بنانے اور ختم کرنے میں صرف کردی۔ دینی مدارس کو بے اثر بنانے کیلئے اسکول اور کالج کھلوائے گئے اور وہاں پر تعلیم پانے والے بچوں کے ذہنوں کو الحاد اور بے دینی کے زہر سے مسموم کیا گیا۔ اتحاد ملت کو ختم کرنے کے لیے نئے نئے پیدا ہونے والے خیالات کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ چنانچہ اسی دور میں اس قسم کے مباحث پھیلے کہ:

☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آجائے تو آپ کے خاتم النبیین ہونے میں فرق آئے گا۔ یا نہیں؟ (معاذ اللہ)

جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو نبی ہونے کا دعویٰ ہی کردیا۔

☆ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر محبوبانِ خدا کی شان میں توہین وتنقیص کی زبان دراز کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ کئی فرقوں میں بٹ گئی اور متحدہ پاک وہند میں اتنے فرقے پیدا ہوگئے کہ دوسرے کسی بھی اسلامی ملک میں اتنے فرقے نہیں ملیں گے۔

یہ وہ ماحول تھا جب سرزمین بریلی میں امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور تقریباً چودہ سال کی عمر میں مروّجہ علوم دینیہ حاصل کرکے اسلام کی خدمت وحفاظت کی مسند پر فائز ہوگئے۔ انہوں نے ایک ہزار کے لگ بھگ چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کے خلاف لب کشائی کرنے والوں پر بھرپور تنقید کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام، اہل بیت عظام، ائمہ مجتہدین اور اولیائے کاملین کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا

شدید محاسبہ کیا۔ قادیان میں انگریزوں کے کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی کا شدید رد کیا۔ اس دور میں پائی جانے والی بدعتوں کے خلاف جہاد کیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے تاروپور بکھیر کر رکھ دیئے۔ سلف صالحین کے طریقوں سے نیز مذہب حنفی کے دلائل قاہرہ سے صحیح اسلامی عقائد ونظریات کی حفاظت وحمایت کی۔ غرضیکہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر ہر محاذ پر قلمی جہاد کیا۔ اور تمام عمر جہاد کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کو ۵۴ سے زائد علوم وفنون میں حیرت انگیز مہارت عطا فرمائی تھی۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین، ریاضی کا ایک لاینحل مسئلہ لے کر حاضر ہوئے۔ جسے آپ نے اسی وقت حل کر دیا۔ تو وہ بے ساختہ پکار اٹھے کہ: ''یہ ہستی صحیح معنوں میں نوبل پرائز کی مستحق ہے۔''[۱]

تحقیقات علمیہ میں امام احمد رضا بریلوی کا بلند ترین مقام تو اہل علم کے نزدیک مسلم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شعر وادب میں قادر الکلام اساتذہ کی صف میں شامل تھے۔ جامعۃ الازہر، مصر کے ڈاکٹر محی الدین الوائی نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ علمی موشگافیاں کرنے والا محقق، نازک خیال ادیب وشاعر بھی ہوسکتا ہے۔ البتہ انہوں نے اصناف سخن میں سے حمد باری تعالیٰ، نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت اولیاء کو منتخب کیا اور قصیدۂ معراجیہ اور مقبولیت عامہ حاصل کرنے والے سلام:

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

جیسے ادب پارے پیش کئے۔ فلسفۂ جدیدہ (جدید سائنس) اور فلسفۂ قدیمہ کے غیر اسلامی نظریات پر ''الکلمۃ الملھمۃ'' اور ''فوز مبین'' میں سخت تنقید کی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ سائنس کو اسلامی بنانے کیلئے ضروری ہے کہ سائنس کو اسلام کے تابع کیا جائے نہ کہ اسلام کو سائنس کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔[۲]

آیئے الملفوظ کے حوالے سے سائنس پر اعلیٰ حضرت کی وسعت نظر پر چند مثالیں ملاحظہ کی جائیں:

عمدہ پانی

ایک مرتبہ بریلی شریف کے پانی کی نفاست کا ذکر اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ہوا تو اس پر

آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے مدینہ طیبہ سے بہتر پانی کہیں نہ پایا۔ خدام کرام حاضرین بارگاہ کیلئے زورقوں میں پانی بھر کر رکھتے ہیں۔ گرمی کے موسم میں اس شہر کریم کی ٹھنڈی نسیمیں اتنا سرد کر دیتی ہیں کہ بالکل برف معلوم ہوتا ہے۔ عمدہ پانی کی تین صفتیں ہیں اور وہ تینوں اس میں اعلیٰ درجہ پر ہیں۔ ایک صفت یہ ہے کہ ہلکا ہو، اور وہ پانی اس قدر ہلکا ہے کہ پیتے وقت حلق میں اس کی ٹھنڈک تو محسوس ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔ اگر خنکی نہ ہو تو اس کا اترنا بالکل معلوم نہ ہو۔

دوسری صفت شیرینی، وہ پانی اعلیٰ درجہ کا شیریں ہے۔ ایسا شیریں میں نے کہیں نہ پایا۔

تیسری صفت خنکی، یہ بھی اس میں اعلیٰ درجہ پر ہے۔''[۳]

آج سائنس نے بھی مذکورہ تینوں خوبیاں پائے جانے والے پانی کو عمدہ پانی قرار دیا ہے۔

زمین وآسمان کا فاصلہ

اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں سوال کیا گیا کہ فلک ثوابت کا فاصلہ کتنا ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: واللہ اعلم۔ سب سے قریب تر ثابتہ جو مانا گیا ہے۔ وہ نو ارب انتیس کروڑ میل ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک پچاس ہزار برس کی راہ ہے۔ اس سے آگے مستوی۔ اس کا بعد (یعنی دوری) اللہ جانے۔ پھر اس کے آگے عرش کے ستر ہزار حجاب ہیں۔ ہر حجاب سے دوسرے حجاب تک پانچ سو (۵۰۰) برس کا فاصلہ ہے اور اس سے آگے عرش۔ اور ان تمام وسعتوں میں فرشتے بھرے ہیں۔ حدیث میں ہے آسمانوں میں چار انگل جگہ نہیں جہاں فرشتے نے سجدے کیلئے پیشانی نہ رکھی ہو۔ فرمایئے کس قدر فرشتے ہیں:

وَ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ (سورۃ المدثر، آیت نمبر: ۳۱)

ترجمہ: ''اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''[۴]

درج بالا بیان سے یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ زمین سے عرش کے درمیان فاصلہ کتنا ہے؟ کہ سب سے پہلا فلک ثابتہ (آسمان) نو ارب انتیس کروڑ میل اس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ، پھر مستوی، پھر ستر ہزار حجابات اور پھر عرش ہے۔ اب آیئے کرسی کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں جسے پڑھ کر ایک مومن کی روح جہاں تڑپ اٹھتی ہے وہیں اعلیٰ حضرت کے وسعت مطالعہ کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے۔

کرسی کی کیا صورت ہے؟

اس ضمن میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کرسی کی صورت اہل شرع وحدیث نے کچھ ارشاد فرمائی۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ وہ آٹھواں آسماں ہے، (جو) ساتوں آسمانوں کو محیط ہے۔ تمام کواکب ثابتہ اسی میں ہیں۔ مگر شرع نے یہ نہ فرمایا۔ اسی طرح عرش کو جہلاء فلاسفہ کہتے ہیں کہ نواں آسماں ہے اور اس کو ''فلک اطلس'' کہتے ہیں کہ اس میں کوئی کوکب نہیں۔ مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام آسمان وزمین کو محیط ہے اور اس میں پائے ہیں یاقوت کے۔ اس وقت تو چار فرشتے اس کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور قیامت کے دن آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ اور یہ تو قرآن عظیم سے ثابت ہے۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ ''اور اٹھائیں گے تیرے رب کے عرش کو اپنے اوپر اس دن آٹھ فرشتے۔'' اور ان فرشتوں کے پاؤں سے زانوؤں تک پانچ سو (۵۰۰) برس کی راہ کا فاصلہ ہے۔ آیۃ الکرسی کو اسی وجہ سے آیۃ الکرسی کہتے ہیں کہ اس میں کرسی کا ذکر ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج اس کی کرسی آسمان وزمین کی وسعت رکھتی ہے۔

اسی ضمن میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: آسمان ہی کی وسعت خیال میں نہیں آتی۔ بیچ کا آسمان (چوتھا) جس میں آفتاب ہے اس کا نصف قطر نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ پانچواں اس سے بڑا۔ پانچویں کا ایک چھوٹا پرزہ جسے تدویر کہتے ہیں وہ آفتاب کے آسمان سے (چوتھے آسمان سے) بڑا ہے۔ پھر یہی نسبت پانچویں کو چھٹے کے ساتھ ہے اور اس کو ساتویں کے ساتھ۔ اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ یہ سب کرسی کے سامنے ایسا ہے کہ ایک لق ودق میدان میں جس کا کنارہ نظر نہیں آتا ایک چھلا پڑا ہو۔ اور ان سب عرش وکرسی اور زمین وآسمان کی وسعت ایسی ہی ہے عظمت قلب مبارک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے۔ اور قلب مبارک کی عظمت کو کوئی نسبت ہی ہوسکتی، عظمت عزت جل جلالہ سے، یہ غیر متناہی وہ متناہی۔ اور متناہی کو غیر متناہی سے نسبت محال۔ سیدی شریف عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں مومن کامل کی وسعت نگاہ میں ایسے ہیں جیسے کسی لق ودق میدان میں ایک چھلا پڑا ہو۔ اللہ اکبر! جب غلاموں کی یہ شان ہے تو عظمت شان اقدس کو کون خیال کرے؟[۵]
یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک

کی وسعت بیان کرتے ہیں کہ جس طرح ایک لق ودق میدان ہو کہ تاحد نظر میدان کے علاوہ چاروں طرف کچھ نہ ہو۔ اور ایسے میدان میں ایک چھلا (انگوٹھی) پڑا ہو تو اس چھلے کی میدان سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح عرش، کرسی، زمین، آسمان، ان تمام کی وسعت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی وسعت کے آگے ایک چھلے (انگوٹھی) کے مانند ہے جو لق ودق میدان میں پڑا ہو۔ اور وسعت قلب سے مراد وسعت علم ونظر ہے۔

آسمان کہاں ہے؟

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضور دوربین سے آسمان نظر آتا ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

ہم اپنی آنکھوں سے تو دیکھ رہے ہیں۔ کیا دوربین لگانے سے اندھا ہوجاتا ہے کہ بغیر دوربین کے دیکھتے ہیں اور دوربین سے سجھائی نہ دے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہم جس کو دیکھ رہے ہیں یہی آسمان ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ (سورۃ ق، آیت نمبر:۶)

ترجمہ: ''کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا ہم نے اس کو کیسا بنایا اور ہم نے اس کو کیسی زینت دی۔''

وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ (سورۃ الحجر، آیت نمبر:۱۶)

ترجمہ: ''اور اس میں کوئی شگاف نہیں اور ہم نے اسے خوبصورت بنایا دیکھنے والوں کے واسطے۔''

وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ (سورۃ الغاشیۃ، آیت نمبر:۱۸)

ترجمہ: ''کیا وہ آسمان کو نہیں دیکھتے کیسا بلند بنایا گیا۔''

فلاسفہ بھی یہی کہتے تھے کہ جو نظر آتا ہے یہ آسمان نہیں۔ آسمان شفاف بے لون ہے (پھر فرمایا) اس سے اکذب (جھوٹا) کون جس کی تکذیب قرآن کرے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ نجات منحصر ہے اس بات پر کہ ایک ایک عقیدہ اہلسنت وجماعت کا ایسا ہو کہ آسمان وزمین ٹل جائیں اور وہ نہ ٹلے پھر اس کے ساتھ ہر وقت خوف لگا ہو۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جس کو

سلب ایمان کا خوف نہ ہو مرتے وقت اس کا ایمان سلب ہو جائے گا۔٦

دائرۂ دنیا

آیئے اب عرف عام میں جسے دنیا کہا جاتا ہے اس کی وسعت کے متعلق جاننے کیلئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں چلیں۔ آپ سے جب دریافت کیا گیا کہ دائرہ دنیا کہاں تک ہے؟ تو آپ نے وہ جواب عنایت فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب نہ ماننے والوں کی عقلیں بھی حیران ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''ساتوں آسمان، ساتوں زمین دنیا ہے اور ان سے ماوراء سدرۃ المنتہیٰ، عرش و کرسی، دار آخرت ہے۔'' اس ضمن میں آپ نے مزید فرمایا کہ دار دنیا شہادت (ظاہر) ہے اور دار آخرت غیب (پوشیدہ) غیب کی کنجیوں کو مفاتیح اور شہادت کی کنجیوں کو مقالید کہتے ہیں۔ قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے، وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ''اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی مفاتیح (کنجیاں) ان کو خدا کے سوا کوئی (بذات خود) نہیں جانتا۔ اور دوسری جگہ فرمایا، لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''خدا ہی کیلئے مقالید (کنجیاں) آسمان و زمین کی۔'' اور مفاتیح کا اول حرف میم (م) و حرف آخر (ح) اور مقالید کا اول حرف میم (م) و حرف آخر (د) دال، انہیں مرکب کرنے سے نام اقدس ظاہر ہوتا ہے، (م+ح+م+د=محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے یا تو اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ غیب و شہادت کی کنجیاں سب دیدی گئی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ کوئی شے ان کے حکم سے باہر نہیں

دو جہان کی بہتریاں نہیں کہ امانی دل و جاں نہیں
کہو کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہاں نہیں

اور یا اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے، مفاتیح و مقالید غیب و شہادت سب حجرۂ خفا یا عدم میں مقفل تھیں۔ وہ مفتاح یا مقلاد جس سے ان قفل کھولا گیا اور میدان ظہور میں لایا گیا وہ ذات اقدس ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ اگر یہ تشریف نہ لاتے تو سب اسی طرح مقفل حجرۂ خفا میں رہتے۔٧

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا' وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی' جان ہے تو جہان ہے

خلا کا واقع ہونا ممکن ہے

آیئے! دیکھیں کہ خلا کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں واضح رہے کہ سائنسدانوں کے نزدیک زمین کے چاروں طرف ہوا کا غلاف ہے جو قریب (۴۵) پینتالیس کلومیٹر کی بلندی تک ہے اور اس کے بعد غیر متناہی خلا واقع ہے۔ اس تعلق سے جب اعلیٰ حضرت سے دریافت کیا گیا کہ حضور خلا ممکن ہے تو آپ نے فرمایا:

''خلا بمعنی فضا تو واقع ہے۔ اور خلا بمعنی فضائے خالی عن جمیع الاشیاء موجود تو نہیں لیکن ممکن ہے۔ فلاسفہ جتنی دلیلیں بیان کرتے ہیں جزء لا یتجزی (کسی بھی شے کا وہ سب سے چھوٹا حصہ جس کی مزید تقسیم محال ہو اسے جزء لا یتجزی کہیں گے) اور خلا وغیرہ کے استحالہ میں وہ سب مراد ہیں۔ کوئی دلیل فلاسفہ کی ایسی نہیں جو ٹوٹ نہ سکے۔ فلاسفہ نے جتنی دلیلیں قائم کی ہیں وہ سب اتصال اجزا کو باطل کرتی ہیں۔ وہ جود جز کو باطل نہیں کرتیں۔ اور ترکیب جسم کیلئے اتصال ضروری نہیں۔ دیوار جسم مرکب ہے اور اس کے اجزا متصل نہیں۔''٨

جوہر کی تعریف

یہاں ہم سب سے پہلے مشہور سائنسدان جان ڈالٹن کا نظریہ جوہر کے متعلق پیش کرتے ہیں وہ لکھتا ہے:

According to John Daltons theory (1808), an atom is a particle of matter which is small, rigid spherical and indvisible.

جس کے مطابق کسی بھی مادے کے سب سے چھوٹے، ٹھوس، کروی اور غیر منقسم جز کو جوہر کہتے ہیں۔ اس پس منظر کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اب اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔ جہاں آپ سے اس شعر:

نقشۂ شاہ مدینہ صاف آتا ہے نظر
جب تصور میں جماتے ہیں سراپا غوث کا

کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم کے متعلق ''جوہر حسن'' کو کتنے پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اس کے معنی یہ ہیں کہ جمال غوثیت آئینہ ہے جمال اقدس کا۔اس میں وہ شبیہ مبارک دکھائی دے گی۔(پھر فرمایا) امام حسن رضی اللہ عنہ کی شکل مبارک سر سے سینہ تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھی۔اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سینہ سے ناخن پا تک، اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ سر سے پاؤں تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہوں گے......(پھر فرمایا) اور یہ تو ظاہری شباہت ہے۔ورنہ فی الحقیقت وہ ذات اقدس تو شبیہ سے منزہ و پاک بنائی گئی ہے کوئی ان کے فضائل میں شریک نہیں۔امام محمد بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بردہ شریف میں عرض کرتے ہیں ؎

مُنَــزَّہٌ عَنْ شَـرِيْكٍ فِـىْ مَحَاسِـنِـهٖ
فَـجَـوْهَـرُ الْـحُـسْـمَ فِـهْـهِ غَيْـرُ مُنْقَسِمٖ

ترجمہ: حضور اپنے تمام فضائل ومحاسن میں شرکت سے پاک ہیں۔لہٰذا ''جوہر حسن'' آپ میں غیر منقسم ہے۔

اب ملاحظہ فرمائیں اعلیٰ حضرت امام عشق ومحبت نے ''جوہر'' کی تعریف کیا فرمائی ہے۔
''اہلسنت کی اصطلاح میں جوہر اس جزو کو کہتے ہیں جس کی تقسیم محال ہو۔یعنی حضور کے حسن میں سے کسی کو حصہ نہیں ملا۔''[9]

زمین اور آسمان قیامت میں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ یہ زمین قیامت کے روز دوسری زمین سے بدل دی جائے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

ہاں ان زمین وآسمان کا دوسری زمین وآسمان سے بدلا جانا تو قرآن عظیم سے ثابت ہے۔ارشاد ہوتا ہے: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (سورۃ ابراہیم، آیت نمبر:۴۸)

ترجمہ: ''جس دن بدل دی جائے گی یہ زمین دوسری زمین سے اور آسمان بھی اور لوگ سب نکل کھڑے ہوں گے ایک اللہ کے سامنے جو سب پر غالب ہے۔'' مگر آسمان کیلئے یہ نہیں

معلوم کہ وہ آسمان کا ہے کا ہوگا۔ہاں زمین کے بارہ میں صحیح حدیث آئی ہے جس میں ہے کہ آفتاب قیامت کے دن سوا میل پر آجائے گا۔صحابی جو اس کے راوی ہیں فرماتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ میل سے مراد مسافت ہے یہ میل سرمہ (پھر فرمایا) اگر میل مسافت ہی مراد ہے تو بھی کتنا فاصلہ ہے آفتاب چار ہزار برس کے فاصلہ پر ہے اور پھر اس طرف کو پیٹھ کئے ہے اس روز کہ سوا میل پر اور اس طرف منہ کئے ہوگا اس روز کی گرمی کا کیا پوچھنا اسی حدیث میں ہے کہ زمین لوہے کی کردی جائے گی۔پھر فرمایا اور جنت میں چاندی کی زمین ہوجائے گی اور یہ زمین وسعت کیا رکھتی ہے ان تمام انسانوں اور جانوروں کیلئے جو روز ازل سے روز آخر تک پیدا ہوئے ہونگے۔حدیث میں ہے کہ رحمٰن بڑھائے گا زمین کو جس طرح روٹی بڑھائی جاتی ہے۔ اس وقت کروی شکل پر ہے اس لئے اس کی گولائی ادھر کی اشیاء کو حائل ہے اور اس وقت ایسی ہموار کردی جائے گی کہ اگر ایک دانہ خشخاش کا اس کنارے پر پڑا ہو اس کنارہ زمین سے دکھائی دے گا۔حدیث میں ہے۔دیکھنے والا ان سب کو دیکھے گا اور سنانے والا ان سب کو سنائے گا۔

پھر لوگوں نے اعلیٰ حضرت سے دریافت کیا کہ یہ صحیح ہے کہ یہ زمین جنت کی شکر بنادی جائے گی اس سوال پر اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: ''میں نے نہ دیکھا (مطالعہ میں نہ آیا)۔ہاں یہ تو ہے کہ محشر کے عرصات میں گرمی شدت کی ہوگی۔پیاس بہت ہوگی اور دن طویل ہوگا۔ بھوک کی تکلیف بھی ہوگی۔اس لئے مسلمان کیلئے زمین مثل روٹی کے ہوجائے گی کہ اپنے پاؤں کے نیچے سے توڑے گا اور کھائے گا۔''[10]

یہاں تک تو ہم نے اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے نظریات جو سائنس کی ایک اہم شاخ علم فلکیات سے متعلق ہیں۔اس کا مطالعہ کیا، جن سے مجدد دین وملت نے اسلامی افکار کو واضح کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ (سائنس) اسلامی عقائد ونظریات کے تابع ہے۔آیئے اب علم نجوم پر اعلیٰ حضرت کی ایک زبردست تحقیق تاریخ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے قبل زمین پر کسی قوم کا وجود تھا:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ایک مرتبہ مصر کے میناروں کا تذکرہ ہوا۔اس پر آپ نے فرمایا۔ان (میناروں) کی تعمیر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے

چودہ ہزار برس پہلے ہوئی۔ نوح علیہ السلام کی امت پر جس روز عذاب طوفان نازل ہوا، پہلی رجب تھی۔ بارش بھی ہو رہی تھی اور زمین سے بھی پانی ابل رہا تھا۔ بحکم رب العالمین حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کشتی تیار فرمائی جو ۱۰ رجب کو تیرنے لگی۔ اس کشتی پر اسی آدمی سوار تھے۔ جن میں دو نبی تھے (حضرت آدم، حضرت نوح علیہما السلام) حضرت نوح علیہ السلام نے اس کشتی پر حضرت آدم علیہ السلام کا تابوت رکھ لیا تھا۔ اور اس کے ایک جانب مرد اور دوسری جانب عورتوں کو بٹھایا تھا۔ پانی اس پہاڑ سے جو سب سے بلند تھا ۳۰ ہاتھ اونچا ہو گیا تھا۔ دسویں محرم کو چھ ماہ کے بعد سفینۂ مبارکہ جودی پہاڑ پر ٹھہرا۔ سب لوگ پہاڑ سے اترے اور پہلا شہر جو بسایا اس کا سوق الثمانین نام رکھا۔ یہ بستی جبل نہاوند کے قریب متصل موصل واقع ہے۔ اس طوفان میں دو عمارتیں مثل گنبد و مینار کے باقی رہ گئی تھیں۔ جنہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اس وقت روئے زمین پر سوائے ان کے اور عمارت نہ تھی۔

امیر المومنین حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے انہیں عمارتوں کی نسبت منقول ہے۔ ترجمہ: یعنی دونوں عمارتیں اس وقت بنائی گئیں جب ستارۂ نسر نے برج سرطان میں تحویل کی تھی۔ نسر دو ستارے ہیں۔ نسر واقع اور نسر طائر۔ اور جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے نسر واقع مراد ہوتا ہے۔ ان کے دروازے پر گدھ کی تصویر ہے اور اس کے پنجہ میں گنگچہ جس سے تاریخ تعمیر کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب نسر واقع برج سرطان میں آیا اس وقت یہ عمارت بنی جس کے حساب سے بارہ ہزار چھ سو چالیس (۱۲۶۴۰) سال ساڑھے آٹھ مہینے ہوتے ہیں کہ ستارہ چونسٹھ برس قمری سات مہینے ستائیس دن میں ایک درجہ طے کرتا ہے اور اب برج جدی کے سولہویں درجہ طے کرتا ہے اور اب برج جدی کے سولویں درجہ میں ہے تو جب سے چھ برج ساڑھے پندرہ درجہ سے زائد طے کر گیا تو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تخلیق سے بھی تقریباً پونے چھ ہزار برس پہلے کے بنے ہوئے ہیں کہ ان کی آفرینش کو سات ہزار برس سے کچھ زائد ہوئے۔ لاجرم یہ قوم جن کی تعمیر ہے کہ پیدائش آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے ساٹھ ہزار برس زمین پر رہ چکی تھی۔ اا

اللہ اکبر! یہ ہے اعلیٰ حضرت کی علم نجوم، علم تاریخ اور علم ہندسہ پر مضبوط گرفت کی ایک چھوٹی سی مثال۔ مجدد دین وملت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے اپنی مرکۃ الآرا تصنیف ''فوزِ مبین

در رد حرکت زمین'' میں گیلیلیو کے گرنے والے اجسام کے اصول (Law of Falling Bodies) کشش ثقل کے اصول (Law of Gracitation) کا رد کیا ہے۔ البرٹ آئن سٹائن کے نظریۂ اضافت (Theory of Relativity) پر گفتگو کی ہے۔ ارشمیدس کے اصول (کہ پانی میں اشیاء کے وزن میں ہٹائے ہوئے پانی کے بقدر کمی ہو جاتی ہے) کی تائید کی ہے۔ اسی طرح اس کتاب میں اعلیٰ حضرت نے مدو جزر کی تفصیلات پر بہت طویل بحث کی ہے۔ دیگر سیاروں پر اجسام کے اوزان میں کمی و بیشی پر تبصرہ کیا ہے۔ Centrifugal (مرکز گریز یا دافع عین المرکز) کے اصولوں پر کلام کیا ہے۔ علاوہ ازیں سمندر کی گہرائی، زمین کے قطر، مختلف سیاروں کے اہم فاصلے، مختلف مادوں کی کثافت نسبتی (Relative Densities) کے دباؤ پر سائنسی دعوے کی تفصیلات اور اعداد و شمار سے نہ صرف واقف نظر آتے ہیں بلکہ اپنے دلائل کے ثبوت میں ان اعداد و شمار کا استعمال بھی کیا ہے۔

زمین ساکن ہے

رد حرکت زمین پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی چند دلیلیں ملاحظہ کیجئے: دلیل (۱) ہر عاقل جانتا ہے کہ حرکت موجب سکونت و حرارت ہے۔ عاقل در کنار ہر جاہل بلکہ ہر مجنوں کی طبیعت غیر شاعرہ اس مسئلہ سے واقف ہے۔ لہٰذا جاڑے میں بدن بشدت کانپنے لگتا ہے کہ حرکت سے حرارت پیدا کر لے، بھیگے ہوئے کپڑوں کو ہلاتے ہیں کہ خشک ہو جائے۔ یہ خود بدیہی ہونے کے علاوہ ہیئت جدیدہ (Modern Astionomy) کو بھی تسلیم۔ بعض وقت آسمان سے کچھ سخت اجسام نہایت سوزون و مشتعل (روشن چمکتے جلتے ہوئے) گرتے ہیں۔ جن کا حدوث (واقع ہونا) بعض کے نزدیک یوں ہے کہ قمر پتھر کے آتشی پہاڑوں سے آتے ہیں کہ شدت اشتعال کے سبب جاذبیت قمر (Attraction) کے قابو سے نکل کر جاذبیت ارض کے دائرے میں آکر گر جاتے ہیں۔ اس پر اعتراض ہوا کہ زمین پر گرنے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں سرد ہو جاتے ہیں۔ یہ لاکھوں میل کا فاصلہ طے کرنے میں کیوں نہ ٹھنڈے ہو گئے؟ اس کا جواب یہی دیا جاتا ہے کہ اگر وہ نرے سرد ہیں چلتے یا راہ میں سرد ہو جاتے جب بھی اس تیز حرکت کے سبب آگ ہو جاتے کہ حرکت موجب حرارت اور اس کا افراط باعث اشتعال (Reason of Burning) ہے۔ اب حرکت زمین کی شدت اور اس کے اشتعال

وحدت کا اندازہ کیجئے۔ یہ مدار جس کا قطر اٹھارہ کروڑ اٹھاون لاکھ میل ہے۔ اور اس کا دورہ ہر سال تقریباً تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے اڑتالیس منٹ میں ہوتا دیکھ رہے ہیں اگر یہ حرکت، حرکت زمین ہوتی یعنی ہر گھنٹے میں اڑسٹھ ہزار (۶۸۰۰۰) میل کہ کوئی تیز سے تیز ریل اس کے ہزارویں حصے کو نہیں پہنچتی، پھر یہ سخت قاہر حرکت، نہ ایک دن، نہ ایک سال، نہ سو برس بلکہ ہزار ہا سال سے لگاتار، بے فتور، دائمہ مستمر ہے تو اس عظیم حدت وحرارت (Fury and Heat) کا اندازہ کون کر سکتا ہے جو زمین کو پہنچی۔ واجب تھا کہ اس کا پانی کب کا خشک ہو گیا ہوتا، اس کی ہوا آگ ہو گئی ہوتی، زمین دہکتا انگار بن جاتی، جس پر کوئی جاندار سانس نہ لے سکتا۔ پاؤں رکھنا بڑی بات ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ زمین ٹھنڈی ہے، اس کا مزاج بھی سرد ہے، اس کا پانی اس سے زیادہ خنک ہے، اس کی ہوا خوشگوار ہے۔ تو واجب کہ یہ حرکت اس کی نہ ہو، بلکہ اس آگ کے پہاڑ کی جسے آفتاب کہتے ہیں۔ جسے اس حرکت کی بدولت آگ ہونا ہی تھا۔ یہی واضح دلیل حرکت یومیہ جس سے طلوع اور غروب کواکب ہے زمین کی طرف نسبت کرنے سے مانع (Preverter) ہے کہ اس میں زمین ہر گھنٹے میں ہزار میل سے زیادہ گھومے گی۔ یہ سخت دورہ کیا کم ہے؟ اگر کہئے یہی استحالہ قمر میں ہے (استحال بمعنی شکل وصورت اور خاصیت میں تبدیلی) کہ اگرچہ اس کا مدار چھوٹا ہے مگر مدت بارہویں حصے سے کم ہے کہ ایک گھنٹے میں تقریباً سوا دو ہزار (۲۲۵۰) میل چلتا ہے۔ اس شدید صریح (واضح) حرکت نے اسے کیوں نہ گرم کیا۔

اقول (میں کہتا ہوں): یہ بھی ہیئت جدیدہ (Modern Astronomy) پر وارِد ہے۔ جس میں آسمان نہ مانے گئے۔ فضائے خالی میں جنبش ہے تو ضرور چاند کا آگ اور چاندنی کا سخت دھوپ سا گرم ہو جاتا تھا لیکن ہمارے نزدیک: کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ o ترجمہ: اور ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہا ہے۔

ممکن ہے فلک قمر یا اس کا وہ حصہ جتنے میں قمر شناوری کرتا ہے خالق حکیم عز جلالہ نے اسے سرد بنایا ہو کہ اس حرارت حرکت (Movement Heat) کی تعدیل کرتا اور قمر کو گرم نہ ہونے دیتا ہو (جیسا کہ جدید ترین تحقیق کے ذریعہ ناسا اور دوسری خلائی ریسرچ ایجنسیوں نے واضح کیا ہے کہ چاند پر پانی تو موجود ہے لیکن انتہائی سوکھے ہوئے برف کی شکل میں ہے)

جس طرح آفتاب کیلئے حدیث میں ہے کہ اس کو روزانہ برف سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے ورنہ جس چیز پر گزرتا جلا دیتا۔

(رواہ الطبرانی عن ابی امامة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم)[۱۲]

درج بالا مثال سے واضح ہوا کہ سورج متحرک ہے اور زمین ساکن ہے۔ آج اعلیٰ حضرت کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت خود سائنس نے ہمیں فراہم کر دیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے سکون شمس کا مدلل رد فرمایا ہے اور سائنس کو اعتراف ہے کہ سورج ساکن نہیں ہے بلکہ گردش میں ہے اور زمین ساکن ہے۔ سورج اپنے محور پر ایک چکر پچیس دن میں پورا کرتا ہے اور اپنے مدار (Orbit) میں ڈیڑھ سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات نے اب یہ بتایا ہے کہ سورج ایک مخصوص سمت میں بہا چلا جا رہا ہے۔ آج سائنس اس مقام کا محل وقوع بھی بتاتی ہے اور جہاں تک سورج جا کر ختم ہو گا اسے Solar apex کا نام دیا گیا ہے۔ جس کی طرف سورج بارہ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے بہہ رہا ہے۔[۱۳]

آئیے! اب اس ضمن میں قرآن کریم کی ایک آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے سائنسی دلائل پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی عظمت وحقانیت کو خراج عقیدت پیش کریں سورۃ یٰسین شریف کی اڑتیسویں آیت ہے جس کا ترجمہ ہے:

''اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کیلئے۔ یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔''

دلیل (۲) بھاری پتھر اوپر پھینکیں سیدھا وہیں گرتا ہے۔ اگر زمین مشرق کو متحرک ہوتی تو مغرب میں گرتا کہ جتنی دیر وہ اوپر گیا اور آیا اس میں زمین کی وہ جگہ جہاں پر پتھر پھینکا تھا حرکت زمین کے سبب کنارہ، مشرق کو ہٹ گئی۔ اقول، زمین کی محوری چال ۵۰۶ء۴ گز پر سیکنڈ ہے اگر پتھر کے جانے آنے میں پانچ سیکنڈ صرف ہوں تو وہ جگہ دو ہزار پانچ سو بتیس گز سرک گئی۔ پھر تقریباً ڈیڑھ میل مغرب کو گرنا چاہئے حالانکہ وہیں آتا ہے۔[۱۴]

دلیل (۳) پانی سے بھی کہیں لطیف تر ہے تو (اگر زمین حرکت کر رہی ہوتی تو) پانی کے اجزاء میں تلاطم واضطراب سخت ہوتا اور سمندر میں ہر وقت طوفان رہتا۔

دلیل (۴) اقول، پھر ہوا کی لطافت کا کیا کہنا۔ واجب تھا کہ آٹھ پہر غرب سے مشرق

تک تحت سے فوق تک ہوا کی ٹکڑیاں باہم ٹکراتیں، ایک دوسرے سے تمانچیں کھاتیں اور ہر وقت سخت آندھی لاتیں۔ لیکن ایسا نہیں تو بلاشبہ زمین کی حرکت محوری باطل اور اس کا ثبوت و سکون ثابت و محکم۔ الله الحمد وصلى الله على سيدنا محمد و آله و صحبه وسلم ۔ آمین![۱۵]

مختصر یہ کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے حرکت زمین کے رد میں ایک سو پانچ دلیلیں دی ہیں۔ جن میں پندرہ اگلی کتابوں کی ہیں اور جن کی اعلیٰ حضرت نے اصلاح و تصحیح کی ہے اور پوری نوے دلیلیں نہایت روشن و کامل بفضلہ تعالیٰ آپ کی خاص ایجاد ہیں۔ سائنس دانوں نے صرف اتنا ہی نہیں کہ زمین کو محو گردش ثابت کرنا چاہا ہے بلکہ انہوں نے تو صاف طور سے آسمان کے وجود کا بھی انکار کیا ہے۔ بظاہر اس سادہ بیان انکار میں عوام کو تو کوئی خرابی نظر نہیں آئی ہو گی۔ لیکن اگر ذرا سا غور و فکر کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ سائنس دانوں کا یہ نظریہ مذہب اسلام کی بنیاد پر ایک کاری ضرب ہے۔ کیونکہ جب آسمان کوئی چیز ہی نہیں تو توریت، انجیل، زبور، قرآن اور دیگر صحائف انبیاء کا آسمان سے نازل ہونا بھی ثابت نہیں ہوگا اور قرآن مجید آسمانی کتاب نہیں مانا جائے گا، مذہب اسلام آسمانی مذہب نہیں مانا جائے گا (معاذ اللہ تعالیٰ) ان حالات میں ضرورت تھی کہ سائنس کے اس باطل نظریے کی بھی بیخ کنی کر دی جائے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا جیسے عاشق صادق اور مجدد دین وملت نے اس فرض کو پورا کیا۔ اور فلاسفۂ یورپ کی اس مصنوعی تحقیق کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نہ صرف یہ کہ سائنسی دلائل سے ان باطل نظریات کی دھجیاں بکھیر دیں بلکہ مسلمانوں کے اطمینان کیلئے قرآنی آیات و احادیث مبارکہ سے ثابت کیا کہ آسمان کا وجود قطعی طور پر ہے۔ اور زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں اور سورج اور چاند گردش کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

☆ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ o (سورۃ الرحمٰن، آیت نمبر:۵)

ترجمہ: ''سورج اور چاند حساب سے ہیں۔''

☆ اور فرماتا ہے، ترجمہ: اے سننے والے کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ رات لاتا ہے دن کے حصے میں اور دن کرتا ہے رات کے حصے میں اور اس نے سورج اور چاند کام میں لگائے ہر ایک ایک مقررہ معیاد تک چلتا ہے۔ اور حق ثابت ہو گیا اور باطل مٹ گیا۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ

زَهُوْقًا o۔ ایک ہند و پاک کے درجنوں ادارے امام احمد رضا کی تصانیف اور ان کی دینی وملی خدمات پر لکھی جانے والی کتابوں کی اشاعت میں مصروف ہیں، دوسری طرف پٹنہ، میسور، علی گڑھ، کراچی، سندھ اور پنجاب کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں محی الدین غزنوی یونیورسٹی آزاد کشمیر میں ''امام احمد رضا چیئر'' قائم کی گئی ہے۔ اسی طرح افریقہ، یورپ، لندن، امریکہ اور شکاگو وغیرہ کی یونیورسٹیوں میں بھی کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ غرض یہ کہ امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کا تعارف بین الاقوامی سطح پر ہو رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب علمی دنیا ان کے صحیح مقام سے روشناس ہو جائے گی۔[۱۶]

مآخذ ومراجع

(۱) محمد عبدالحکیم قادری، علامہ، مقالات رضویہ ص ۳۶، مطبوعہ لاہور۔
(۲) ایضاً ص ۳۷۔
(۳) محمد مصطفیٰ رضا نوری، علامہ، الملفوظ اول، ص ۳۳، مطبوعہ قادری کتاب گھر بریلی شریف۔
(۴) ایضاً، چہارم، ص ۱۵۔
(۵) ایضاً، چہارم، ص ۶۳۔
(۶) ایضاً، چہارم، ص ۵۴۔
(۷) ایضاً، چہارم، ص ۶۳۔
(۸) ایضاً، چہارم، ص ۱۵۔
(۹) ایضاً، سوم، ص ۴۲۔
(۱۰) ایضاً، چہارم، ص ۷۵۔
(۱۱) ایضاً، اول، ص ۷۳۔
(۱۲) احمد رضا بریلوی، امام، فوز مبین در رد حرکت زمین، ص ۱۴۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی۔
(۱۳) اعترافات رضا، ص ۱۰۔
(۱۴) احمد رضا بریلوی، امام، فوز مبین در رد حرکت زمین، ص ۱۵۳، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی۔
(۱۵) ایضاً ص ۱۵۲۔
(۱۶) محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، مقالات رضویہ ص ۳۹، مطبوعہ لاہور۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق عبادت

﴿مکتوبات کے آئینے میں﴾

مفتی محمد نظام الدین رضوی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی عشق رسول اور اطاعت مصطفیٰ سے عبارت ہے، میں نے آپ کے مکتوبات کے جھلکتے آئینوں میں آپ کے جمال جہاں آرا کا نظارہ کیا ہے اور وہ عکس ہائے رنگا رنگ دیکھے ہیں، جن میں آپ کی جلوت بھی ہے اور خلوت بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، سفر بھی ہے اور حضر بھی، غم والم کے جاں گداز مراحل بھی ہیں اور فرح وسرور کے دل نواز مناظر بھی، شباب کے اسوے بھی ہیں اور پیری کے نمونے بھی۔ یہ سب اس ذات والا صفات کے پرتو جمال بلکہ آئینۂ خدوخال ہیں اور اس سے آگے بڑھ کر ان کی گہرائی میں اتر کر دیکھئے تو وہ اتباع سنت کی نور بیز شعاعیں اور ایمان کو تازگی دینے والی محبوب ادائیں ہیں، ایک ایک عکس اپنی جگہ حب الٰہی کا دُرِ آب دار ہے اور عشق رسالت کا نور گہر بار، وہ خود نغمہ سرا ہیں:

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اُٹھائے کیوں

ہم نے ان عکوس کی روشنی میں آپ کی زندگی کے شب وروز کا جہاں تک مشاہدہ کیا ہے اس کے لحاظ سے ان کا ہر ہر لمحہ اور ایک ایک آن اتباع رسول کا زندہ شاہکار ہے، اب بطور نمونہ خاص کر آپ کے ذوق عبادت کے تعلق سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں جن سے یہ واضح ہوگا کہ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی زندگی کو شریعت کے سانچے میں کس طرح ڈھال رکھا تھا۔

۱-نماز کی پابندی

نماز وہ عظیم عبادت ہے جس کا رتبہ اعمال میں سب سے بڑا ہے۔ سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام نے اسے ''اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک'' بتایا۔ ارشاد فرماتے ہیں:

وجعلت قرة عینی فی الصلاة ۔

(مشکوۃ شریف، ص:۴۴۹، باب فضل الفقراء، بحوالہ احمد ونسائی)

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔

سفر، حضر ہر جگہ، وقت پر اس کی ادائیگی کو لازم قرار دیا گیا اور اس سے غفلت ولاپروائی پر عذاب نار کی دھمکی بھی سنائی گئی۔

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اسلام میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سی چیز پیاری ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا۔

ومن ترك الصّلٰوة فلا دین له والصّلاة عماد الدین ۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، بحوالہ شعب الایمان بیہقی)

جس نے نماز چھوڑی اس کے لیے دین نہ رہا اور نماز دین کا ستون ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا، تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ (سرکار نے تین بار یہی فرمایا، اور ہر بار) صحابہ نے عرض کیا: خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں! تو آپ نے فرمایا: تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جو شخص نماز وقت پر پڑھے گا، اسے جنت میں داخل فرماؤں گا، اور جو اس کے غیر وقت میں پڑھے گا، چاہوں تو اس پر رحم کروں اور چاہوں تو اسے عذاب دوں۔ (طبرانی، بسند صالح)

☆ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۝

(آیت: ۴،۵، سورہ ماعون)

خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔
ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر پڑھتے ہیں۔ (بزار و محی السنۃ)
(درج بالا حدیثیں فتاویٰ رضویہ جلد دوم، رسالہ حاجز البحرین میں اعلیٰ حضرت نے نقل کی ہیں)

یہ اللہ کے محبوب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات طیبات ہیں، جنہوں نے ایک طرف اپنی امت کو نماز کی محافظت و پابندی کا درس دیا اور دوسری طرف اس پر عمل کر کے دنیا کو دکھا بھی دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز صحابہ کرام کے ساتھ اس کے وقت میں ہی ادا فرمایا کرتے تھے۔

امام احمد رضا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار تھے، اس لیے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہتے سنا وہی کہنے لگے۔ اور جو کرتے دیکھا اسی پر عمل پیرا ہو گئے۔ آپ کی ذات سے "صلوا کما رأیتمونی أصلی" کا عکس زیبا جھلکتا ہے اور سفر و حضر ہر جگہ آپ نماز کے اوقات میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق سجدہ ریز نظر آتے ہیں، جیسا کہ واقعات ذیل شاہد ہیں۔

(۱) ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت نے عید الاسلام حضرت مولانا عبد السلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر جبل پور کا سفر بیماری کی حالت میں کیا، آغاز سفر کا ذکر حضرت برہان ملت رحمۃ اللہ علیہ یوں کرتے ہیں:

"صبح ۴/ بجے اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا حامد رضا صاحب (حجۃ الاسلام) حاجی کفایت اللہ صاحب اور خادم برہان گاڑی پر (بریلی ریلوے اسٹیشن) کے لیے روانہ ہوئے، میں نے عرض کی حضرت عین نماز کے وقت گاڑی روانہ ہوگی، نماز فجر کہاں ادا کی جائے گی؟ اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: "ان شاء اللہ پلیٹ فارم پر"

اسٹیشن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی چالیس منٹ لیٹ ہے، پلیٹ فارم پر جانماز، چادریں، رومال بچھا لیے گئے اور بعونہ تعالیٰ کثیر جماعت نے اعلیٰ حضرت کے پیچھے نماز فجر ادا کی۔ یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت تھی کہ اطمینان کے ساتھ نماز سے فارغ ہوئے۔"

(اکرام امام احمد رضا، ص:۸۶، ۸۷)

(۲) حضرت مولانا عبد السلام صاحب اپنے رفقاء کے ہمراہ اعلیٰ حضرت کے استقبال کے لیے کٹنی تک چلے آئے تھے، آگے کا واقعہ حضرت برہان ملت یوں لکھتے ہیں:

"ٹرین چار بجے کٹنی پہنچی، اعلیٰ حضرت کے لیے وضو کا انتظام کیا گیا، فرمایا: نماز فجر کہاں ہوگی؟ عرض کیا: سلیمناباد میں، لیکن صرف تین منٹ گاڑی رکتی ہے، حضور وضو فرمائیں۔

خادم حاضر ہوتا ہے۔ میں انجن کی طرف بڑھا، دیکھا ڈرائیور مسلمان ہیں اور وہ بھی اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کر کے جا رہے ہیں، مجھ سے مصافحہ کیا، میں نے کہا سلیمناباد میں نماز فجر ادا کرنا ہے، پوچھا کتنا وقت لگے گا؟ میں نے کہا، ۱۲/ یا ۱۵/ منٹ۔ کہا میں لیٹ کر دوں گا، گارڈ بھی مل گیا۔ اس نے بھی اطمینان دلایا، گاڑی بڑے وقت پر سلیمناباد پہنچی، پلیٹ فارم پر جانماز، چادریں، رومال بچھا کر تقریباً ۳۰۰/ کی جماعت ہوئی، پوری ٹرین کے مسافر دیکھ رہے تھے، اعلیٰ حضرت اطمینان کے ساتھ وظیفہ سے فارغ ہو کر گاڑی میں تشریف لائے۔"

(اکرام امام احمد رضا، ص:۸۸)

(۳) جبل پور کے قیام کے دوران اعلیٰ حضرت کے معمولات سے حضرت برہان ملت نے ایک یہ بھی شمار کیا ہے کہ "نماز کے لیے پانچوں وقت مسجد پیدل تشریف لاتے۔"

(اکرام امام احمد رضا، ص:۸۹)

ان دنوں عید الاسلام اس مسجد میں نماز ادا فرمانے جاتے، جو قدیم کوتوالی کی طرف ہے، اس کا فاصلہ آپ کے دولت خانہ سے پانچ سو قدم سے زیادہ ہے۔ ایک نحیف و ناتواں کے لیے اتنا فاصلہ بھی بہت ہے، بلکہ یہ فاصلہ استطاعت سے کہیں زیادہ ہے۔

(۴) جبل پور سے واپس ہو کر ۲۲/ رجب ۳۷ھ کو اعلیٰ حضرت نے بریلی سے حضرت عید الاسلام کو یہ اطلاع نامہ بھیجا:

"شب دوشنبہ ۸/ بجے مع الخیر اسٹیشن بریلی پر آیا، راہ میں بڑی نعمت بفضلہ عزوجل یہ پائی کہ نماز مغرب کا اندیشہ تھا، شاہ جہاں پور ۶:۳۳ پر آمد تھی کہ ہنوز وقت مغرب نہ ہوتا اور صرف ۸/ منٹ قیام۔ مگر گاڑی بفضلہ تعالیٰ ۱۵/ منٹ لیٹ ہو کر شاہ جہاں پور پہنچی اور ۱۰/ منٹ ٹھہری کہ بہ اطمینان تمام نماز اچھے وقت پر ادا ہوئی، وللہ الحمد! موٹر بہ لحاظ ہم راہیاں (جو استقبال کے لیے اسٹیشن پر کثیر تعداد میں آئے تھے) بہت آہستہ خرامی کے ساتھ بہ دیر مکان پر پہنچا۔ فقیر نے

ابتدا یہ مسجد کی، نماز عشاء ہوئی۔'' (اکرام امام احمد رضا ص:۹۹)

(۵) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۵۲؍ برس کی عمر میں دوسری بار سفر حج کیا، مناسک حج کی ادائیگی کے بعد آپ ایسے علیل ہوئے کہ دو ماہ سے زیادہ صاحب فراش رہے۔ جب کچھ رو بہ صحت ہوئے تو ۲۴؍صفر ۱۳۲۴ھ کو زیارت روضۂ انور کے لیے مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر جدہ سے بذریعہ کشتی رابغ پہنچے اور وہاں سے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اونٹ کی سواری کی، اب آگے کا واقعہ خود اعلیٰ حضرت کی زبانی سنئے:

''راہ میں جب ''بیر شیخ'' پر پہنچے ہیں، منزل چند میل باقی تھی اور وقت فجر تھوڑا۔ جمالوں (اونٹ والوں) نے منزل ہی پر روکنا چاہا اور جب تک وقت نماز نہ رہتا۔ میں اور میرے رفقاء اتر پڑے، قافلہ چلا گیا، کرچ کا ڈول پاس تھا، (لیکن) رسی نہیں اور کنواں بھی گہرا۔ عمامے باندھ کر پانی بھرا، وضو کیا، بحمد اللہ تعالیٰ نماز ہوگئی۔ اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ طول مرض سے ضعف شدید ہے، اتنے میل پیادہ (پیدل) کیونکر چلنا ہوگا، منہ پھیر کر دیکھا تو ایک جمال (اونٹ والا) محض اجنبی، اپنا اونٹ لیے میرے انتظار میں کھڑا ہے، حمد الٰہی بجالایا، اس پر سوار ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم یہ اونٹ کیسے لائے؟ کہا ہمیں شیخ حسین نے تاکید کردی تھی کہ شیخ کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔ کچھ دور آگے چلے تھے کہ (دیکھا کہ) میرا اپنا جمال اونٹ لیے کھڑا ہے، اس سے پوچھا، کہا کہ جب قافلے کے جمال نہ ٹھہرے، میں نے (دل میں) کہا شیخ کو تکلیف ہوگی، قافلے میں سے اونٹ کھول کر واپس لایا۔

یہ سب میرے سرکار کرم کی وصیتیں تھیں صلی اللہ تعالی و بارك وسلم علیه وعلی عترته قدر رافته و رحمته ۔ ورنہ کہاں یہ فقیر، اور کہاں سردار رابع شیخ حسین جن سے جان نہ پہچان۔ اور کہاں وحشی مزاج جمال اور ان کی یہ خارق العادات روشیں۔

(الملفوظ، ص:۳۲،۳۳، حصہ:۲)

سبحان اللہ! یہ ہے ذوق نماز اور شوق عبادت! کہ نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے دل بے قرار اور بے چین ہوگیا، وقت سے نماز ادا ہوگئی تو دل کو قرار مل گیا اور جان میں جان آ گئی، مہینوں کی طویل علالت اور ضعف شدید کے باوجود ہر طرح کی کلفت و مشقت سے بالکل بے پرواہ ہو کر قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا، مگر ''احب العبادات'' نماز کو چھوڑنا گوارا نہ فرمایا۔ یہ عاشق

رسول اسے نعمت عظمیٰ سمجھتا ہے اور خدائے پاک کی اس نوازش پر وہ اس کا شکر بھی ادا کرتا ہے۔ یقیناً جو چیز خدائے ذوالجلال کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو، بہت ہی زیادہ پیاری ہو، وہ ایک ''مومن کامل'' کے لیے ''نعمت عظمیٰ'' ضرور ہوگی۔

اور قربان جائیے اتباع رسول کے اس جذبۂ کامل پر کہ آپ سوا ماہ کے بعد باہر سے اپنے وطن عزیز میں پہنچے تھے، لیکن بچوں سے ملنے سے پہلے کشاں کشاں خانۂ خدا میں حاضر ہو رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچوں سے ملنے سے جماعت فوت ہو جائے۔

یہ ہے نماز کی محافظت اور یہ ہے شوق سجدہ۔

۲- بیماری کی حالت میں نماز

نماز بڑی سے بڑی بیماری اور انتہائی کمزوری کی حالت میں بھی معاف نہیں، ہوش و حواس اگر باقی ہیں تو ہر حال میں اس کی ادائیگی بعض خاص خاص صورتوں کے سوا فرض قرار دی گئی ہیں، البتہ اس کی ادائیگی کے طریقوں میں نرمی اور آسانی کا یہ لحاظ کیا گیا ہے کہ کھڑا ہونا مشکل ہو تو عصا کے سہارے نماز پڑھو، بیٹھنے کی سکت نہ ہو تو کسی چیز سے ٹیک لگا لو، اس کی بھی قدرت نہ ہو تو لیٹے ہی لیٹے اشارے سے اس کا سجدۂ بندگی بجالاؤ، ارشاد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

صل قائما، فان لم تستطع فقاعدا، فان لم تستطع فعلی جنب تومی ایما ۔ (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ باب صلاۃ المریض بحوالہ بخاری وسنن اربعہ)

کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر اشارے سے ادا کرو۔

خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہی رہا ہے کہ اپنی بیماری اور ضعف و کمزوری کی حالت میں بیٹھ کر نماز ادا کی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و عمل کی مکمل عملی تصویر تھی، قیام پر قدرت ہے تو کھڑے ہو کر ہمہ تن شوق مولیٰ سے راز و نیاز میں مشغول ہیں، بدن میں طاقت نہیں تو عصا کے سہارے قیام ہو رہا ہے، اسی کے سہارے رکوع و سجود ادا ہو رہے ہیں، لیکن کبھی راحت نفس کے لیے نماز نہیں چھوڑتے۔

(۱) حضرت مولانا عبدالسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے ایک مکتوب (مورخہ ۴؍

ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ) میں آپ لکھتے ہیں:

"ڈھائی سال سے اگرچہ امراض درد، کمر و مثانہ وسر وغیرہا امراض کا للازم ہو گئے ہیں، قیام وقعود، رکوع وسجود بذریعہ عصا ہے، مگر الحمد للہ کہ دین حق پر استقامت عطا فرمائی ہے، کثرت عبادت روز افزوں ہے اور حفظ الٰہی تفضیل نا متناہی شامل حال، والحمد للہ رب العالمین ۔"

(اکرام امام احمد رضا،ص:۱۲۸)

(۲) اعلیٰ حضرت کے قیام جبل پور کے دوران ایک روز حضرت عبدالسلام نے عرض کیا:

"جبل پور خوش نصیب ہے کہ یہاں حضور کی صحت بہت اچھی ہے، بریلی شریف میں کبھی کبھی نماز میں رکوع وسجود میں عصا کا سہارا لینا پڑتا تھا، یہاں نہیں دیکھا۔" (اکرام،ص:۹۸)

(۳) اعلیٰ حضرت اپنے مرض الموت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اس مرض کے ساتھ ہی بہ شدت کھانسی وزکام، اور بلغم میں لزوجت ایسی کہ دس دس جھٹکوں کے بعد بہ دشواری جدا ہوتا، کھانسی اس قدر شدت کی، اتنے جھٹکے ہوتے اور جگر و پہلو میں درد، ان کو ان جھٹکوں کی اصلاً خبر نہ ہوتی، یہ وہ مرض تھا کہ بائیس دن میں بازو کا گوشت صحیح پیمائش سے سوا انچ گھل گیا، رانوں کا ابدائی حصہ اتارہ گیا، جتنے بائیس دن پہلے بازو تھے۔ شدت قبض وہیجان ریاح کا سلسلہ اب تک (جاری) ہے...... اب مسجد تک جانے کی طاقت نہ رہی، پندرہ روز سے اسہال (دست) شروع ہوئے۔ اس نے بالکل گرا دیا۔ نماز کی چوکی پلنگ کے برابر لگی ہے اس پر سے اس پر بیٹھے بیٹھے جانا تین تین بار ہمت سے ہوتا۔ الحمد للہ کہ اب تک فرض و وتر اور صبح کی سنتیں بذریعہ عصا کھڑے ہی ہو کر پڑھتا ہوں، مگر جو دشواری ہوتی ہے، دل جانتا ہے۔ نبض کی یہ حالت ہے کہ ایک ایک منٹ میں چار چار بار رک جاتی ہے، دو دو قرع کی قدر رکی رہتی ہے، پھر باذنہ تعالیٰ چلنے لگتی ہے۔" (اکرام،ص:۱۱۴، ۱۱۵، خلاصہ بلفظہ)

شریعت کا قانون ہے کہ جب تک مریض کسی چیز کے سہارے قیام وقعود اور رکوع وسجود پر قادر ہو اس سے نماز معاف نہیں ہے، اور نہ ہی اسے رکوع وسجدہ کے لیے اشارہ کی اجازت ہے، اس لیے آپ نفس پر مشقت وتکلیف برداشت کر کے نماز کو تمام شرائط وآداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں، مگر محبوب کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کوئی کمی گوارا نہیں کرتے۔

یہ اتباع سنت کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جس کی نظیر آج کے زمانے میں نظر نہیں آتی۔

۳- جماعت کا التزام

احادیث کریمہ میں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی پر بڑا زور دیا گیا ہے، اور موثر انداز میں طرح طرح سے اس کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کے ترک کو تعزیر شدید کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت میں حاضر نہ ہونے والوں کے متعلق یہاں تک فرمایا:

ثم اخالف الی رجال لا یشهدون الصلوٰة فاحرق علیهم بیوتهم . رواه البخاری ولمسلم نحو . (مشکوٰۃ،ص:۹۵،باب الجماعۃ)[1]

(میں نے ارادہ کر لیا کہ) جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، ان کے گھر ان کے سمیت آگ سے جلا دوں۔

ایک حدیث میں سرکار نے فجر وعشاء کی جماعت کی اہمیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

ولو تعلمون مافیهما تیتموهما ولو حبوا علی الرکب .

(ابوداؤد،ص:۸۴،ج:۱)

اگر تمہیں نماز فجر وعشاء کا ثواب عظیم معلوم ہو جائے تو یقیناً تم لوگ ان نمازوں کے لیے آؤ گے، اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر، یا پیٹ کے بل گھسیٹ کر (یعنی گرتے پڑتے) آنا پڑے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرا اور دوسرے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا (مشاہدہ کی روشنی میں) یہ فیصلہ ہے کہ:

مایتخلف عن الصلاة الا منافق قد علم نفاقة، او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یاتی الصلوٰة .

(مسلم باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الہدیٰ، کتاب المساجد،ص:۴۵۹،ج:۱، جمعیۃ المکتبۃ الاسلامی قاہرہ)

نماز جماعت سے صرف دو شخص پیچھے رہتے ہیں، ایک تو منافق جس کا نفاق لوگوں

[1] یہ روایت کثیر کتب احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ مثلاً ترمذی (سنن ترمذی،ص:۳۰،ج:۱) اور ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں: "ثم انطلق برجال معهم حزم من حطب الی قوم لا یشهدون الصلوٰة فاحرق علیهم بیوتهم بالنار" (سنن ابوداؤد،ص:۷۴،ج:۱)

پر ظاہر و آشکار ہو چکا ہو، اور دوسرے بیمار، بے شک بیمار آدمی بھی دو آدمیوں کے بیچ میں ان پر ٹیک لگا کر چلتے ہوئے مسجد میں حاضر ہوتا۔

یعنی جس مریض کی یہ حالت ہوتی کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر ان کے سہارے کسی طرح مسجد تک پہنچ سکے، وہ بھی عہد رسالت و عہد صحابہ میں مسجد میں حاضر ہو کر شریک جماعت ہوتا اور جو مریض انتہائی ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اس طور پر بھی حاضری سے معذور ہوتا وہی جماعت سے پیچھے رہ جاتا، یا پھر کوئی کھلا منافق ہی پیچھے رہتا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مرض وصال میں ایک بار اسی انداز سے مسجد میں تشریف لائے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لگن (نہانے کا برتن) میں پانی رکھو۔ ہم نے پانی رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا، پھر کھڑے ہونے لگے تو غشی طاری ہو گئی۔ افاقہ ہوا تو پھر وہی بات پوچھی، ہم نے وہی جواب دہرایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا، کھڑے ہونے کے وقت غشی طاری ہوئی، افاقہ کے بعد پہلے ہی کی طرح سوال و جواب ہوئے، غسل فرمایا، غشی آئی، افاقہ ہوا اور اس بار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔ ہم نے عرض کیا، نہیں، اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ نماز عشاء کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس مرتبہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خبر بھیجی کہ وہ نماز پڑھا دیں، تو انہوں نے نماز پڑھائی۔ بیماری کے دنوں میں وہی نماز پڑھاتے رہے۔

ثم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم وجد من نفسه خفةً فخرج بين رجلين احدهما العباس لصلوٰة الظهر . قال (ابن عباس) الذى كان مع العباس هو على رضى الله عنه . (مسلم شریف، ص:۱۷۸، ج:۱)

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تو آپ نماز ظہر کے لیے دو آدمیوں کے بیچ میں (ان کے سہارے) چل کر تشریف لے گئے۔ دو

آدمیوں میں سے ایک حضرت عباس تھے اور دوسرے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قام يهادى بين رجلين ورجلا تخطان فى الارض (مسلم شریف، ص:۱۷۹، ج:۱)

آپ دو آدمیوں پر ٹیک لگا کر ان کے بیچ میں اِدھر اُدھر جھکتے ہوئے یوں چل رہے تھے کہ آپ کے قدم ناز زمین سے گھسٹ رہے تھے۔

ایک روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ واقعہ آپ کے مرض وصال کا ہے۔

لما مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم مرضه الذى توفى فيه .
(مسلم شریف، ص:۱۷۹، ج:۱)

ان احادیث کو ذہن میں رکھ کر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی پاک کا جائزہ لیجئے تو اس میں نمایاں طور پر صحابہ کرام بلکہ خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کا عکس جمیل جھلکتا ہوا نظر آئے گا، اور آپ محسوس کریں گے کہ اعلیٰ حضرت نے زندگی بھر ماہ رسالت اور اس کے نجوم ہدایت سے جو کسب نور کیا تھا، وہ نور خود ان کی ذات انوار میں جگمگا رہا ہے..... بڑھاپے کا زمانہ ہے، کثرت کار، ہجوم افکار، نزول بلا و شدت امراض کے باعث آپ کے قویٰ ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں۔ نقاہت اور کمزوری حد درجہ کو پہنچ چکی ہے، چند قدم چلنے کے بعد بدن میں طاقت نہیں رہ گئی، گویا

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

مگر اس مرد با خدا کے عزم و حوصلہ کی بلندی کا عجب حال ہے کہ وہ تمام دشواریوں، مجبوریوں اور معذوریوں کے باوجود قرب مولیٰ کے شوق میں جانب منزل یوں رواں دواں ہے کہ

ان کا پتہ نہ پوچھو بس آگے بڑھے چلو
ضعف مانا مگر یہ ظالم دل
ان کے رستے میں تو تھکا نہ کرے

وہ منزل ''مسجد'' ہے جہاں اتباع رسول کا جذبہ صادق انہیں کھینچ لیے جارہا تھا، آپ بھی اس کا ایک منظر ملاحظہ کیجیے:

اجل نزدیك اور عمل ركيك و حسبنا الله و نعم الوكيل .

چار دن کم پانچ مہینے ہوئے، آنکھ دکھنے آئی اور اس پر اطوار مختلفہ وارد ہوئے، ضعف قائم ہو گیا، سیاہ خیالات نظر آتے ہیں، آنکھیں ہمہ وقت نم رہتی ہیں۔ اول تو مہینوں کچھ لکھ پڑھ ہی نہیں سکا، اب یہ حال ہے کہ چند منٹ نگاہ نیچی کرنے سے آنکھیں بھاری پڑ جاتی ہیں، کمزوری بڑھ جاتی ہے۔ پانچ مہینے سے مسائل و رسائل سب زبانی بتا کر لکھے جاتے ہیں۔ بارہویں ربیع الاول کی شام سے ایک ایسا مرض لاحق ہوا کہ عمر بھر میں نہ ہوا تھا، نہ اللہ تعالیٰ کسی سنی کو اس میں مبتلا کرے۔ پچھتر گھنٹے کامل اجابت نہ ہوئی، پیشاب بھی بند ہو گیا۔ مولیٰ تعالیٰ نے فضل فرمایا مگر ضعف بدرجۂ غایت ہے، نواں روز ہے، بخار کا دورہ ہوا، ضعف کو اور قوت بخشی، روز تجربہ کیا مسجد تک جانے آنے کے تعب سے فوراً بخار آجاتا ہے، مجبورانہ کئی روز سے یہ ہے کہ کرسی پر بٹھا کر چار آدمی لے جاتے اور لاتے ہیں، ظہر کو جاتا اور مغرب پڑھ کر آتا ہوں، طالب دعا ہوں۔

(اکرام امام احمد رضا، ص: ۱۳۴، ۱۳۵)

(۲ تا ۴) اس بیماری کا تذکرہ آپ کے مختلف خطوط میں اجمال یا تفصیل کے ساتھ ملتا ہے، آپ نے یہ خطوط ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ، جناب مولانا حکیم عبد الرحیم صاحب مدرس اول مدرسہ قادریہ، احمد آباد، گجرات اور مجاہد کبیر حضرت مولانا حاکم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ موتی بازار لاہور، پاکستان کے ضروری استفسار یا اہم دینی مکتوب کے جواب میں ارقام فرمائے ہیں۔ حضرت مولانا حاکم علی صاحب کے استفسار کے جواب میں آپ نے رسالہ مبارکہ ''نُزُوْلِ آیاتِ فُرْقَانُ، بِسُکُونِ زَمِیْنُ وَ آسْمَان'' (۱۳۳۹ھ) تصنیف فرمائے ہیں۔

حضرت مولانا احمد بخش صاحب کے جواب میں ایک مبسوط فتویٰ تحریر فرمایا ہے، اس کے شروع میں تاخیر کا عذر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''۱۲/ربیع الاول شریف کی مجلس پڑھ کر شام سے سخت علیل ہوا، ایسا مرض کبھی نہ ہوا تھا، میں نے وصیت نامہ لکھوا دیا، اسی دوران میں آپ کا قصیدہ حمیدہ نعتیہ آیا، مجھ میں دیکھنے کی قوت کہاں تھی، وہ کاغذات میں مل گیا اور مہینوں گم رہا، زوال مرض کو مہینے گزرے مگر جو ضعف شدید اس سے پیدا ہوا تھا اب تک بدستور ہے، فرض وتر اور صبح کی سنتیں بدقت کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں، باقی سنتیں بیٹھ کر۔ مسجد میرے دروازے سے دس بارہ قدم ہے، وہاں تک چار آدمی کرسی پر بیٹھا کر لے جاتے اور لاتے، اور باقی امراض کہ کئی برس سے کاللازم بدستور ہیں، کبھی ترقی، کبھی تنزل، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ، حَاشَ لِلّٰهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مَعَاذَ اللّٰهِ۔ یہ بطور شکایت نہیں، بلکہ صرف معذرت کے لیے اظہار واقعیت، اس کے وجہ کریم کی حمد ابدی ہے۔''

(۵) حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مکتوب (نوشتہ ۵/محرم شریف، سن ۳۷ھ) میں اپنا حال اس طرح لکھتے ہیں:

''۲۲/ذی قعدہ سے آج ۲۲/ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی، مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کے لیے لوگ کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور لے آتے، ۱۱/محرم شریف سے بارے حاضری کا شرف پاتا ہوں۔ لوگ بازو پکڑ کر لے جاتے ہیں، نقاہت وضعف اب بھی شدت ہے۔ دعا کا طالب ہوں۔''

(۶) اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ماہِ وصال و مرضِ وصال میں حضرت عید الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کئی حوادث سے دوچار ہوئے۔ آپ نے تعزیت کے لیے عدم حاضری کی وجہ ذکر کرتے ہوئے تفصیل سے اپنی جاں کاہ اور انتہائی صبر آزما و حوصلہ شکن بیماریوں کا حال پر ملال لکھا ہے۔ اسی کا ایک مختصر اقتباس یہ ہے۔

''شدت قبض و ہیجان ریاح کا سلسلہ اب تک ہے، ۱۴/محرم کو پہاڑ (بھوالی) سے واپس آیا، لاری والے میرے احباب تھے، مولیٰ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ لاری میں میرے لیے پلنگ بچھا کر لائے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت آرام سے آنا ہوا۔ یہاں جب تک آیا ہوں اتنی قوت باقی تھی کہ عشاء سے ظہر تک کی نمازوں کو چار آدمی کرسی پر بٹھا کر لے گئے، عصر بھی مسجد میں ادا کی، پھر بخار آگیا اور اب تک

مسجد جانے کی طاقت نہ رہی، پندرہ روز سے اسہال شروع ہوئی، اس نے بالکل گرادیا۔ آٹھویں دن جمعہ کی حاضری تو ضرور۔ہے، مکان سے مسجد تک جانے میں وہ تعب ہوتا ہے کہ بیٹھ کر سنتیں بھی بدقت تمام پڑھی جاتی ہیں، اور اس تکان سے عشاء تک بدن چور رہتا ہے۔ نبض کی یہ حالت ہے کہ ایک ایک منٹ میں چار چار بار رک جاتی ہے۔ لہٰذا بادل ناخواستہ حاضری سے معذور ہوں۔‘‘

(اکرام امام احمد رضا،ص:۱۱۵)

یہ مکتوب ۹رصفر ۱۳۴۰ھ کو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے املا کیا اور اس کے صرف دو ہفتہ بعد ۲۵رصفر کو ظہر کے وقت آپ رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ان خطوط کے مطالعے سے عیاں ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو اتباع سنت کا بے پناہ شوق تھا، کہنے کو تو وہ یہ کہتے ہیں

حشر میں کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامان عالی ہاتھ میں

لیکن سرکار علیہ التحیۃ والثناء سے ان کی وارفتگی عشق کا عالم یہ ہے کہ دنیا میں ہی آپ کے ایک ایک قول وفعل پر عمل کے لیے دیوانہ وار مچل رہے ہیں، بدن میں طاقت نہیں، لیکن جماعت میں شرکت کے لیے بے چین ہیں کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کو کسی بھی حال میں وسعت کے باوجود جماعت سے غیر حاضری گوارا نہ تھی۔ لوگوں کے سہارے کرسی پر بیٹھ کر مسجد میں حاضر ہو رہے ہیں اور حالت یہ ہے کہ یہ آمد ورفت بھی آپ کے لیے سخت کلفت ومشقت کی باعث ہے۔ یہ سب اس جذبۂ شوق میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی بیماری و ناتوانی کی حالت میں دو آدمیوں کے بیچ میں چل کر جماعت میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اور ایک دفعہ خود حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی انداز سے مسجد میں تشریف لائے تھے، بلاشبہ اعلیٰ حضرت کا یہ مثالی کردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی اسی سنت کے اتباع میں تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ادا جو آپ کے دو آدمیوں کے بیچ میں چل کر جانے میں تھی کرسی پر جانے میں ادا نہیں ہوتی، اس لیے اعلیٰ حضرت بسا اوقات دو

آدمیوں کے بیچ میں چل کر بھی مسجد تشریف لے گئے، تاکہ محبوب کی وہ ادا بھی ادا ہو جائے۔

ایک عاشق کے لیے ادائے محبوب میں مشابہت کا جو لطف ہے وہ صرف متابعت میں کہاں؟

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

اعلیٰ حضرت کے مکتوبات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کچھ دنوں انتہائی ضعف اور کمزوری کی بنا پر مسجد میں حاضر نہ ہو سکے، مگر یہ اس لیے تھا کہ شریعت نے بے بسی کی حالت میں حاضری کا مکلف ہی نہیں کیا ہے، خود سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے عمل سے بھی اس کی شہادت فراہم ہوتی ہے۔ البتہ سرکار کا یہ عمل عذر کی وجہ سے بادل ناخواستہ تھا، اس لیے یہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد سے اپنی غیر حاضری کو دل سے گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ اسے اپنی محرومی سمجھتا ہے، وہ بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ اپنے قرۃ العین ودرۃ الزین (حضرت ملک العلماء) کو لکھتا ہے کہ:

’’مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا۔‘‘

خدا کی قسم! یہ امام احمد رضا قدس سرہ کے اتباع سنت کا وہ بے مثال نمونہ ہے جسے دیکھ کر عہد رسالت وعہد صحابہ کی یاد دلوں میں تازہ ہو جاتی ہے۔

۴-صحرا میں اذان کی صدا

اذان اہم شعائر اسلام سے ہے، حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یسمع مدی صوت الموذن جن ولا انس ولا شیء الا شهد له یوم القیٰمة ۔ (رواہ البخاری،ص:۸۶،ج:۱)

موذن کی آواز پہنچنے کے آخری مقام تک جن وانسان اور حیوان ونباتات و جمادات سے ہر چیز جو یہ آواز سنتی ہے وہ سب کے سب قیامت کے دن موذن کے لیے اس کے ایمان اور فضل وکرامت کی گواہی دیں گے۔

ایک حدیث میں ہے:

ویشهدله کل رطب ویابس ۔ (شعب الایمان،ص:۱۱۸،ج:۳)

ہر خشک وتر موذن کے لیے گواہ ہو جاتے ہیں۔

ایک دفعہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بنفس نفیس اذان دی، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"درمختار میں ضیا کے حوالہ سے ہے کہ ایک سفر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اذان دی، اقامت فرمائی اور نماز ادا کی۔ ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں اذان دی اور اپنے صحابہ کرام کے ساتھ نماز ادا کی، امام ابن حجر مکی کی تحفۃ الاسلام میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تو تشہد میں اشھد انی رسول اللہ کہا۔ علامہ ابن حجر نے اس حدیث کی صحت کا اشارہ کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے جو قابل تاویل نہیں۔"

امام احمد رضا نے اس سنت کی پیروی کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ بڑا ہی قابل رشک ہے۔ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ میں قیام جبل پور کے دوران ایک روز آپ سیر وتفریح کے لیے نربداندی تک چلے گئے، وہیں پر نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ اب آگے کا واقعہ حضرت برہان ملت رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنئے۔ رقم طراز ہیں:

"بندر کودنی کے خشک ریت کے میدان میں مصلیٰ اور رومال وغیرہ بچھا لیے گئے، میں نے اذان کے ارادے سے کان میں انگلیاں لگائیں کہ اذان کی آواز سنائی دی۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت اذان دے رہے تھے، حضرت ہی نے اقامت فرمائی اور نماز مغرب پڑھائی۔ فارغ ہونے پر ہم سب قدم بوس ہوئے تو اپنے دست مبارک میں خادم کا ہاتھ لے کر فرمایا: حدیث شریف میں ہے کہ اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں کا ہر فرد شاہد اور گواہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں نے اذان دی کہ یہاں کا بہتا ہوا دریا، پہاڑ، درخت، سبزہ اور ریت سب مجھ فقیر کے لیے شاہد ہو جائیں۔" (اکرام امام احمد رضا، ص:۹۵)

سبحان اللہ! بڑی قابل رشک ہے یہ نیت کہ اذان کے ساتھ اس مبارک نیت کے حسین امتزاج سے نہ صرف یہ کہ اس کا ثواب دوبالا ہو گیا، بلکہ بڑی بات یہ ہوئی کہ رسول اللہ کی سنت

کامل طور سے ادا ہو گئی۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نیت حسنہ سے خالی نہیں ہوتا وہ خود فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات نیۃ المومن خیر من عملہ۔

(شعب الایمان، ص:۳۴۳، ج:۵)

تو آپ نے سفر میں جو اذان دی تھی وہ یقیناً نیت حسنہ (جو بھی ہو) کی مظہر ہو گی۔ اس لیے اعلیٰ حضرت اتباع رسول میں جب سفر میں اذان کی صدائے حق بلند کرتے ہیں تو اسے نیت حسنہ سے مزین وآراستہ کر کے بلند کرتے ہیں، تاکہ ظاہر وباطن ہر طرح سے رسول کے اسوۂ حسنہ کا کامل اتباع ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اقامت فرما کر امامت بھی کی تھی۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت بھی خود ہی اقامت وامامت کے فرائض انجام دیتے ہیں کہ شیوۂ محبت یہی ہے کہ محبوب جو کچھ کرے محب وہ سب کچھ اس انداز سے بجالائے۔ آپ نے یہ سبق صحابۂ کرام کے مکتب عشق سے سیکھا ہے۔ مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک چوپائے پر سوار ہو کر دعا پڑھی، پھر ہنس پڑے۔ ان سے پوچھا گیا اے امیر المومنین! اس وقت آپ کے ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا:

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَنَعَ کَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِکَ۔

(سنن ترمذی، ص:۱۸۲، ج:۲)

میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایسا ہی کیا، میں نے بھی ایسا ہی کیا، پھر آپ ہنس پڑے۔ (مطلب یہ ہے کہ میں نے اس موقع سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے دیکھا ہے، اس لیے میں بھی ہنس پڑا، مقصود صرف سرکار کی ادا کا لحاظ ہے اور بس)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اسی مکتب عشق کے پروردہ تھے، اس لیے آپ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کرتے دیکھا اسی پر عمل پیرا ہو گئے اور رسول اللہ کو جیسے چلتے دیکھا اسی انداز سے چل پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کو اپنا حرز جان بنا لیا اور آپ کے نقش قدم کی پیروی کو دین وایمان سمجھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آہ! شاعرِ اہلِ سنت

حضرت طارق سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: سید صابر حسین شاہ بخاری قادری

؎ طارق ہوں غلام ابن غلام شہ ابرار
جو کچھ ہے یہی میرا حسب اور نسب ہے

حضرت طارق سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق قبیلہ یوسف زئی سے تھا۔ آپ کا خاندان ابتداء میں مضافات پشاور صوبہ خیبر پختونخواہ میں آباد تھا۔ بعد ازاں ہجرت کر کے سلطان پور (حسن ابدال، اٹک) میں آیا اور یہیں کا ہو کر رہ گیا۔

حضرت طارق سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام محمد عبدالقیوم تھا۔ آپ کے والد گرامی مولانا عبدالعزیز خان رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷۹ء) اپنے عہد کے ایک جید عالم دین تھے۔ انہیں کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ان کی ساری زندگی تبلیغ اسلام میں گزری۔ آپ کے دادا مولانا عبدالجبار خان رحمۃ اللہ علیہ بھی عالم فاضل تھے۔ آپ کے اجداد ''راہ ورسم منزل ہا'' کے راہی تھے اور دین اسلام کے بے لوث سپاہی تھے۔ انہوں نے تحریک فروغ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم ہمیشہ بلند رکھا۔ حضرت طارق سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ تحدیث نعمت کے طور پر خود فرماتے ہیں:

؎ مدحت سرکار میرا خاندانی وصف ہے
میں کئی پشتوں سے ہوں طارق غلام مصطفےٰ

حضرت طارق سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ ۵ جون ۱۹۴۱ء کو سلطان پور (حسن ابدال، اٹک) میں پیدا ہوئے۔ اسی لیے سلطان پوری کہلائے۔ آپ کی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ لوئر مڈل تک سلطان پور میں پڑھا۔ ۱۹۵۵ء میں مڈل کا امتحان وظیفہ کے ساتھ یوڑ میانہ (اٹک) سے پاس کیا۔ ۱۹۵۹ء میں میٹرک کا امتحان حسن ابدال سے نمایاں طور پر پاس کیا اور کراچی چلے گئے اور وہاں نیشنل بینک آف پاکستان میں بطور کلرک ملازمت اختیار کرلی۔ ملازمت کے دوران آپ نے منشی فاضل اور اردو فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۷۲ء میں کراچی یونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے فارسی کیا۔ آپ کے یونیورسٹی اساتذہ میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر محمود حسین خان اور ڈاکٹر غلام سرور کے نام نمایاں ہیں۔

آپ ۱۹۶۱ء میں حضرت پیر سید غلام محی الدین گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ المعروف ''قبلہٗ بابو جی'' کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ چشتیہ میں بیعت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

آپ کو بچپن ہی سے علم و ادب سے شغف رہا۔ زمانہ طالب علمی کے دوران ہی شعر کہنے شروع کر دیئے تھے۔ ابتداء میں غزل گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ سیاسی نظمیں بھی لکھیں لیکن جب آپ کے ایک دوست نے آپ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' پڑھنے کے لیے دیا تو آپ کی کایا پلٹ گئی، آپ کا دل و دماغ روشن ہو گیا، غزل گوئی ترک کر کے نعت گوئی کو وظیفۂ حیات بنا لیا۔ اس حقیقت کا اعتراف آپ نے راقم کے نام ایک خط میں یوں فرمایا ہے:

''نعت نگاری ایک زمانے سے میرا وظیفۂ حیات ہے۔ اس وظیفۂ حیات کو اختیار کرنے پر مجھے ''حدائق بخشش'' نے آمادہ کیا، اب نعت نگاری میرا سامان زندگی ہے، میری غذائے روح اور میری متاع حیات ہے کہ ''حدائق بخشش'' کا مطالعہ نصیب نہ ہوتا تو کئی دیگر ہم عصر خوات کی طرح میں بھی بے مقصد اور لاحاصل روایتی شاعری کے لق و دق صحرا میں بھٹکتا پھرتا۔'' (مکتوب گرامی بنام راقم محررہ ۱۲ ستمبر ۱۹۹۳ء)

''حدائق بخشش'' سے انداز نعت سیکھنے کا اعتراف آپ نے اپنی نعتوں میں بھی کیا۔

؎ آدابِ ثنائے شاہ امم سیکھے ہیں حدائق بخشش سے
جتنا سمجھا جو کچھ جانا طارق فیضان رضا جانا

؎ یہ سب حدائق بخشش کا فیض ہے طارق
رسول پاک کے مدحت نگار ہم بھی ہیں

آپ نے نعت نگاری کو وظیفۂ حیات ایسا بنایا کہ وقت نزع کے حوالے سے بھی اپنی معصوم اور روح پرور خواہش کا اظہار یوں فرمایا:

؎ ان کی مدحت ہو دم نزع زباں پر طارق
حشر آئے تو اٹھوں نعتیہ اشعار کے ساتھ

آپ کی نعتوں میں آورد نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ آمد ہی آمد ہے سلاست اور روانی کا یہ عالم ہے کہ خامۂ طارق رکنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نعتوں میں خوشبو بن کر سمایا ہوا ہے۔ ''کاروان نعت'' کے مسافران میں آپ نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ تمام سنی رسائل و جرائد میں آپ کا کلام نہایت آب و تاب سے شائع ہورہا ہے۔ تضمین نگاری ایک نہایت مشکل راہ ہے لیکن آپ نے اس راہ کو بھی اختیار کیا اور نہایت کامیابی و کامرانی سے ساحل مراد تک پہنچے۔

راقم کی خواہش پر آپ نے سلام رضا پر تین تضامین لکھ کر دنیائے رضویات میں ایک منفرد ریکارڈ قائم کیا۔ پہلی تضمین ''باران رحمت'' (جس کا انتساب بھی اس احقر کے نام ہے) اور دوسری ''برہان رحمت'' کے نام سے ایک ہی سال ۱۹۹۵ء میں مکمل ہوئیں اور پھر حسن اتفاق سے یہ دونوں تضمینیں راقم کی تحریک پر ایک ہی سال ۲۰۰۵ء کو الگ الگ کتابی صورت میں الحاج محمد مقبول احمد قادری ضیائی رحمۃ اللہ علیہ نے رضا اکیڈمی لاہور سے شائع کرکے عام کیں۔

تیسری تضمین ''بستان رحمت'' مجلّہ ''انوار رضا'' جوہر آباد شمارہ ۲۰۰۸ء ''حضرت خواجہ احمد میروی نمبر'' کی زینت بنی۔

تضمین نگاری کی طرح تاریخ گوئی بھی ایک مشکل ترین فن ہے مگر حضرت طارق سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ اس فن میں بھی باکمال نظر آتے ہیں۔ آپ اس فن کو بھی ''فیض رضا'' ہی تصور کرتے تھے۔ کسی اہم شخصیت کے وصال یا کسی کتاب کی تکمیل یا اشاعت یا کسی رسالے کے خاص نمبر کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی جاتی تو چند منٹوں میں ایمان افروز مادوں کا انبار لگا دیتے کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا تھا پھر اس پر قطعہ بھی ایسا موزوں کرتے کہ اگر کسی اہم

شخصیت کے متعلق ہوتا تو اس کی تمام خوبیوں کا احاطہ ہوتا۔ اگر کسی کتاب کے بارے میں ہوتا تو کتاب کا خلاصہ منظوم فرما دیتے تھے۔ سلاست اور روانی کا یہ عالم تھا کہ اکثر قطعات دس گیارہ اشعار سے کم نہیں ہیں۔

حضرت طارق سلطان پوری گلستان نعت کے ایک ایسے مہکتے ہوئے پھول تھے جو بارگاۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبول تھے۔ آپ نے نعت گوئی کو صرف سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کی خاطر اختیار کیا تھا، اس میں آپ کسی قسم کی شہرت یا ناموری کے طالب نہ تھے اس حقیقت کا اظہار آپ خود فرماتے ہیں:

؎ مراد نعت نگاری سے آپ کی رضا ہے
نہیں یہ میری تمنا کہ نام ہو جائے

آپ نے اپنی زندگی سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں گزارنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔

؎ جو زندگی ہے فقیر حقیر کی باقی
وہ ذکر شاہ میں گزرے تو کام ہو جائے

یہی نہیں بلکہ میدان محشر میں بھی مدحت سرکار میں اشعار سنانے کا جذبہ ملاحظہ فرمائیے:

؎ طارق سے سر حشر کہیں کاش یہ قدسی
ہاں مدحت سرکار میں اشعار سنا اور

؎ ہم بروز حشر جا پہنچیں گے طارق خلد میں
پڑھتے پڑھتے نعت سرور، دیکھتے ہی دیکھتے

ہر سال موسم حج میں قافلے جب مدینے کی جانب رواں دواں ہوتے تو آپ کی بے تابی دیدنی ہوتی تھی۔ بعض اوقات آپ کے جذبات اشعار کی صورت اختیار کر لیتے۔ خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رولاتے تھے:

؎ خوش بخت کئی لوگ مدینے کو چلے ہیں
اک ہم ہیں کہ حسرت سے انہیں دیکھ رہے ہیں

؎ خدا مجھ کو بھی ان میں فرمائے شامل
مدینے کو جو لوگ ہیں جانے والے

جب اپنی مختصر زندگی کو دیکھتے تو حاضریٔ طیبہ کی تمنا آپ کو یوں تڑپا دیتی تھی:

؎ بے حاضریٔ طیبہ کہیں ختم ہو نہ جائے
اب مجھ کو فکر زندگی مختصر کی ہے

جذبۂ صادق رنگ لایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی سن لی، چنانچہ ۱۹۹۹ء میں آپ اپنی اہلیہ اور اکلوتی دختر منیرہ سحر کے ہمراہ حج بیت اللہ شریف اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے اس سفر مقدس کی تمام کیفیات، مشاہدات اور محسوسات کو منظوم انداز میں قلم بند کر کے ''تجلیات حرمین'' کا نام دیا۔ جو ۲۰۰۲ء میں مکتبہ ضیائیہ راول پنڈی سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ یہ منظوم سفر ناموں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے مواجہہ شریف کے سامنے مدحت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت حاصل کی۔ تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں:

؎ مرے لیے وہ بنیں گے ذریعہ بخشش
کہے جو شعر ادب سے مواجہہ کے قریب

؎ مواجہہ میں ہوئی حاصل سعادت نعت خوانی کی
خوشا قسمت شرف کتنا بڑا بخشا گیا مجھ کو

حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے تو آپ نے اس کی تاریخ یوں کہی۔

؎ کیا یوم جمعہ کو طارق نے حج
شرف ہے یہ بے شک عظیم و خطیر
مسرت سے تاریخ اس کی کہی
ہوا ہے ''عجب فضل رب اکبر''
۱۴۱۹ھ

دوسری تاریخ ملاحظہ فرمائیے:

؎ میں نے تاریخ اس شرف کی کہی
لطف ''سبحان و فضل ربی'' ۱۴۱۹ھ

حج بیت اللہ اور مدینۃ المنورہ کی حاضری سے قبل اپنی مختصر زندگی کی فکر دامن گیر تھی لیکن اس کے بعد کے جذبات کچھ یوں تھے:

؎ اب اگر بند بھی ہو جائیں تو افسوس نہیں
ان نگاہوں نے شہنشاہ کا روضہ دیکھا

یوں تو کوئی ایسا سنی رسالہ نہیں جس میں آپ کا کلام شائع نہ ہوا ہو۔ لیکن پھر بھی آپ کا غیر مطبوعہ کلام ہنوز موجود ہے۔ آپ اپنی چند ڈائریاں جن میں نعتیہ کلام موجود ہے اپنے دوست مکرمی جناب سید محمد عبداللہ قادری کے حوالے کر دی تھیں کہ وہ اس کی ترتیب و تدوین کر کے شائع کرا سکیں۔ اللہ کرے آپ ان ڈائریوں پر کام شروع کر دیں تا کہ آپ کا غیر مطبوعہ کلام محفوظ ہو جائے۔ آپ نے ان غیر مطبوعہ کلام کے دو مجموعوں کے تاریخی نام ''علائق بخشش'' (۱۴۱۳ھ) اور ''چادر بخشش'' (۱۴۱۰ھ) رکھے تھے۔ ان کے علاوہ باران رحمت، برہان رحمت، بستان رحمت، تجلیات حرمین، جواہر تضمین (مرتبہ راقم)، تضمین ثانی پر ایک نظر (از راقم) امام الوقت رضا بزبان طارق (از راقم)، امام احمد رضا کی بارگاہ میں طارق سلطان پوری کا خراج عقیدت (از راقم) اور ''انوار الاخیار'' شائع ہو چکی ہیں۔

ملک محبوب الرسول قادری نے مجلّہ انوار رضا جوہر آباد کا نہایت شاندار ''حضرت طارق سلطان پوری نمبر'' نکالا ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ جسے سید محمد عبداللہ قادری نے مرتب کیا تھا۔

حضرت طارق سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ راقم کے مہربان اور قدر دان تھے۔ ان کے ہاں اکثر آنا جانا ہوتا تھا۔ علمی و ادبی، تحقیقی و تصنیفی گفتگو ہوتی تھی۔ فقیر کے کام کو آپ خوب سراہتے تھے، حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے قرآن کریم کی تلاوت کے دوران مختلف شخصیات اور اہم تاریخی واقعات کے قرآنی مادے نکالے ہیں۔ یہ بڑا اہم کام ہے اس کی ترتیب و تدوین آپ (یعنی راقم) کے ذمہ ہے۔ لیکن آپ تھوڑا تھوڑا وقت نکالیں تو یہ کام آسان ہو سکتا ہے...... پھر فرماتے میرے نام مشاہیر کے مکاتیب ہیں۔ انہیں بھی آپ ضرور محفوظ کریں لیکن ان دنوں میری صحت کچھ ٹھیک نہیں جب صحت بہتر ہو جائے تو پھر آپ آ کر یہ کام سنبھالیں۔ اور میں اپنی کتابیں بھی آپ کی لائبریری کے لیے عطیہ کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

لاہور سے برادرم محمد ثاقب رضا قادری نے راقم کوفون کیا کہ کتاب ''سنی صحافت اور رد قادیانیت'' کی دوسری جلد تیار ہے۔ اس پر حضرت طارق سلطان پوری سے قطعہ لکھوا کر بھجوا دیں۔ فقیر نے ان سے گزارش کی دوسری جلد کے لیے قطعہ درکار ہے۔ مولانا غلام احمد اخگر امرتسری کی ایڈیٹر اہل فقہ امرتسر کے حوالے سے یہ جلد ہے۔ آپ نے ہامی بھرلی۔ لیکن آپ کی صحت روز بروز گرتی جارہی تھی۔ بندہ ان کی خبر گیری لیتا رہا۔ ہر بار فرماتے کہ چند دنوں تک ٹھیک ہوجاؤں گا۔ آپ کی اولاد نرینہ نہ تھی صرف ایک دختر ڈاکٹر منیرہ سحر ہے جو واہ کینٹ میں آفیسر کالونی میں رہائش پذیر ہیں۔ وہ انہیں علالت میں اپنے پاس لے گئیں اور علاج معالجے کرانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ کے داماد راجا ذوالفقار نے بھی آپ کی خوب خدمت کی۔ اسی لیے ڈاکٹر کے ہاں آنے جانے میں کوئی دقت پیش نہ آتی تھی۔

راقم حضرت طارق سلطان پوری سے برابر رابطے میں رہا۔ کبھی فون پر اور کبھی خود جا کر خیریت دریافت کرتا رہا۔

۹ مارچ ۲۰۱۵ء بروز پیر میرے موبائل کی گھنٹی بجی، فون اٹھایا تو ملک محبوب الرسول قادری بول رہے تھے، سلام کے بعد کہنے لگے کہ اس وقت آپ کہاں ہیں؟ فقیر نے جواب دیا کہ اس وقت گھر پر موجود ہوں۔ آپ جلدی بیریل نمبر ۳ پر پہنچ آئیں تا کہ ہم اکٹھے حضرت طارق سلطان پوری کی عیادت کے لیے جائیں بندہ نے فوراً تیاری کی لیکن ٹریفک نہ ملنے کی وجہ سے تاخیر ہوئی۔ ملک محبوب الرسول قادری اور ان کے ہمراہ سید محمد عبد اللہ قادری دونوں بیریل نمبر ۳ پر بندہ کا انتظار کر رہے تھے۔ بار بار فون پر پوچھتے کہاں پہنچے ہیں۔ جلدی آؤ نا؟ چنانچہ راقم بیریل نمبر ۳ پر پہنچ ہی گیا۔ ہم تینوں گاڑی میں بیٹھ کر آفیسر کالونی لائن نمبر ۲، کوارٹر نمبر ۵۲ پر پہنچ گئے۔ گھنٹی بجائی۔ حضرت طارق سلطان پوری خود چل کر آئے اور گیٹ کھولا۔ ہم تینوں کو نہایت تپاک سے ملے اور اندر لے گئے، بعد میں ان کے داماد بھی آ گئے۔

حضرت طارق سلطان پوری نے مشروبات سے ہماری تواضع کی۔ ہم یہاں پونے پانچ بجے پہنچے اور تقریباً آدھا گھنٹہ یہاں ٹھہرے۔ حضرت طارق سلطان پوری ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی ملک محبوب الرسول قادری نے دوران گفتگو کہا کہ ''میں نے ۲۳ مارچ ۲۰۱۵ء کو عمرہ کی سعادت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کرنا ہے۔'' ''واپسی

کب ہوگی؟'' طارق سلطان پوری نے پوچھا۔ ۱۴ اپریل کو انشاء اللہ واپسی ہوگی، ملک صاحب نے جواب دیا۔ کیا ۱۴ اپریل تک واپس آ جاؤ گے؟ طارق سلطان پوری نے دوبارہ سوال کیا۔ جی ہاں انشاء اللہ آ جاؤں گا۔ ملک صاحب نے جواب میں کہا۔ پھر راقم سے مخاطب ہوئے، شاہ جی! میں نے محمد ثاقب رضا قادری کی کتاب ''سنی صحافت اور رد قادیانیت'' جلد دوم (علامہ غلام احمد اخگر امرتسری ایڈیٹر اہل فقہ امرتسر کی خدمات) پر آپ کی تحریک پر ایک جامع اور مفصل قطعۂ تاریخ لکھ دیا ہے۔ وہ قطعۂ تاریخ کہاں ہے؟ میں نے پوچھا۔ ابھی تک اسے صاف بھی نہیں کر سکا اور وہ حسن ابدال والے گھر پر موجود ہے۔ صحت یابی پر حسن ابدال جا کر انشاء اللہ پیش کر دوں گا۔ حضرت طارق سلطان پوری نے جواب میں فرمایا...... اچھا ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل آپ کو سلامت با کرامت رکھے۔ فقیر نے عرض کیا...... آپ سب میرے لیے دعا کریں۔ حضرت طارق سلطان پوری نے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ ہم تینوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ بعد ازاں حضرت طارق سلطان پوری سے اجازت لی۔ منع کرنے کے باوجود حضرت گیٹ پر ہم سب کو الوداع کرنے کے لیے آئے۔ یہ حضرت سے ہماری آخری ملاقات تھی۔

۱۳ مارچ ۲۰۱۵ء جمعۃ المبارک رات کو حسب معمول حضرت طارق سلطان پوری کی خیریت دریافت کرنے کے لیے ان کے نمبر پر فون کیا۔ اس دفعہ خلاف معمول آپ کی بیٹی ڈاکٹر منیرہ سحر نے اٹھایا۔ بندہ نے ان سے ابو جی کا پوچھا تو رو کر کہنے لگی ''میرے بابا جان الشفاء ہسپتال انٹرنیشنل اسلام آباد میں داخل ہیں اور بے ہوشی کے عالم میں ہے۔ آپ سید بادشاہ ہیں میرے بابا جانی کی صحت یابی کے لیے دعا فرمائیں اور ان کے احباب کی توجہ بھی ان کی شدید علالت کی طرف مبذول کرائیں تا کہ وہ بھی دعائیں فرمائیں اور حضرت علامہ شاہ حسین گردیزی کا فون نمبر بھی عنایت کریں۔''

بندہ نے آپ کی بیٹی کو حوصلہ دیا اور صبر کی تلقین کی۔ اور مطلوبہ نمبر دے دیا۔ بعد ازاں راقم اور رفیق القادری الشفاء ہسپتال انٹرنیشنل اسلام آباد پہنچے اور آپ کی زیارت کی۔ آپ کومے کی حالت میں تھے لیکن رنگت اسی طرح حسب سابق تر و تازہ تھی۔ پھر فون پر آپ کے داماد، کبھی آپ کی بیٹی اور کبھی وقار ابن ملک عبدالحمید مرحوم سے خیریت دریافت کرتا رہا لیکن کوئی خاطر

خواہ نتیجہ سامنے نہ آیا۔ آپ ایک ماہ دو دن اسلام آباد ہسپتال میں رہے۔ پھر فاطمہ ہسپتال واہ کینٹ میں چند دن رہے اور یہیں سے ۱۸ اپریل ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ رات ۹ بجے سفر آخرت کی جانب رواں دواں ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ اخبارات میں خبریں لگ گئیں۔ موبائلوں پر میسج چل گئے اور آناً فاناً آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر پوری دنیا میں پہنچ گئی۔

؎ تجھ کو جنت ملی انعام میں حق سے طارق
تو نے کچھ لمحے مدینے میں گزارے ہوں گے

؎ کرم کریں گے سر حشر بھی وہ طارق پر
کریم اپنے فقیروں کو شاد رکھتے ہیں

۱۹ اپریل ۲۰۱۵ء بروز اتوار صبح کو ملک محبوب الرسول قادری کا فون آیا۔ شاہ جی! کہاں ہیں۔ جلدی حسن ابدال پہنچو تا کہ اکٹھے حضرت طارق سلطان پوری کی نماز جنازہ میں شرکت کر سکیں۔ بندہ فوراً حسن ابدال پہنچا۔ اڈہ پر حضرت پیر محمد افضل قادری کے مرید غلام مصطفےٰ قادری موجود تھے جو حضرت کی نمائندگی کے طور پر نماز جنازہ میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ اتنے میں ملک محبوب الرسول قادری بھی آ گئے۔ یوں ہم اکٹھے پہلے مسجد میں پہنچے۔ نماز ظہر ادا کی اور پھر حضرت طارق سلطان پوری کے محلّہ حطاراں کی جانب چل پڑے۔ جامع نوری مسجد کے قریب پہنچے تو ایک جم غفیر نظر آیا۔ علامہ پیر عبدالقادر جامعہ رضویہ کے طلباء کے ساتھ موجود تھے۔ نماز جنازہ کا وقت اڑھائی بجے تھا۔ کچھ دیر پہلے علماء و مشائخ آپ کے دیدار اور چارپائی اٹھانے کے لیے آگے بڑھے۔ چنانچہ قصیدہ بردہ شریف کی گونج میں جب آپ کے جنازہ کی چارپائی اٹھائی گئی تو ہر طرف آہیں اور سسکیاں تھیں۔ ایک کہرام مچ گیا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔

؎ عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

ہر ایک نے چارپائی کو اپنا کندھا دینے کی کوشش کی، راقم کو بھی دو تین مرتبہ کندھا دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ہر ایک کی زبان پر درود و سلام کی صدائیں تھیں۔ جامعہ رضویہ کے طلباء قصیدہ بردہ شریف، سلام رضا اور اس پر آپ کی تضمین کے اشعار خوش الحانی سے پڑھتے تو سماں باندھ دیتے تھے۔ محلّہ حطاراں کی جامع نوری مسجد کے قریب سے جب آپ کا جنازہ گزرا

تو مسجد کے مینار دیکھ کر ایسے محسوس ہوا کہ نوری مسجد بھی آج اپنے ایک ایسے نمازی کے بچھڑ جانے سے افسردہ ہے جو اس کی نوری محافل کی زینت ہوا کرتا تھا۔ ٹھیک اڑھائی بجے جنازہ گاہ میں آپ کی چارپائی لائی گئی اور صفیں درست کروائی گئیں۔ عوام کے علاوہ علماء و مشائخ کا ایک جم غفیر تھا۔ علامہ پیر سید حسین الدین شاہ سلطان پوری ایک صف میں افسردہ کھڑے تھے۔ کوشش تھی کہ حضرت آگے آئیں اور نماز جنازہ کی امامت فرمائیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے شاہ جی! آپ کے دوست تھے آپ ہی امامت فرمائیں۔ راقم نے عرض کیا کہ آپ کی موجودگی میں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ آگے بڑھے اور پیر محمد اعظم طارق ثانی صاحب کو امامت کے لیے آگے کر دیا۔ یوں آپ کی نماز جنازہ ہوئی۔ بعد میں ہر ایک نے آپ کا دیدار کیا۔ ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے گلاب کا پھول ہے۔ اس دوران ہلکی ہلکی "باران رحمت"، "برہان رحمت" بن کر وقفے وقفے سے برستی رہی۔ حیلہ اسقاط ہوا۔ دعا ہوئی اور تدفین کے لیے محلّہ روشن پورہ کے مقبرہ ملک روشن دین کے احاطے میں لایا گیا۔ ملک محبوب الرسول قادری اپنے دوست کے لیے آب زم زم، مدینہ طیبہ کی کستوری، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی چادر جو قبر کے اندر رکھی گئی، حضرت سخی لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی چادر جو تدفین کے بعد قبر پر ڈالی گئی لائے۔ آب زم زم کا چھڑکاؤ اور مدینہ طیبہ کی کستوری دیکھ کر "تجلیات حرمین" کی یادیں تازہ ہو گئیں۔

آپ کی تدفین کے دوران مفتی پیر سید عارف حسین شاہ نے عالم برزخ کے احوال پر سیر حاصل گفتگو کی اور فرمایا کہ نیک لوگوں کی تدفین سے آس پاس کے قبر والوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔ بلاشک و شبہ حضرت طارق سلطان پوری کا شمار بھی پاک طینت لوگوں میں ہوتا ہے۔

پیر تصور حسین شاہ نے حضرت طارق سلطان پوری کی ہمہ گیر مقبولیت کے حوالے سے مختصر مگر جامع تبصرہ کیا۔ گجرات سے آئے ہوئے مہمان غلام مصطفےٰ قادری نے قبر پر قصیدہ بردہ شریف کچھ اس انداز میں پڑھا کہ در و دیوار وجد میں آ گئے۔ مولانا جہانگیر نے حضرت طارق سلطان پوری کے اشعار سنا کر مجمع کو خوب گرمایا۔ قبرستان کے ایک کونے میں بیٹھے پروفیسر محمد سرور شفقت حضرت طارق سلطان پوری کی شفقتوں کو یاد کر کے آنسو بہا رہے تھے۔ ڈاکٹر محمد ارشد ایک جانب گم سم کھڑے تھے۔ محمد روز خان سراپا غم تھے۔ افتخار احمد حافظ، پروفیسر خضر

حیات، شاہد اعوان، ملک محبوب الرسول قادری، صدیق صابر ایاز، رفیق القادری، نیاز احمد نیازی، عشرت محمود قریشی، حفیظ الرحمٰن عابد الازہری، مولانا محمد اویس ہزاروی، داؤد چشتی، مولانا اعجاز، افضل شاہد، سید بادشاہ تبسم بخاری، محمد عالم غفوری، منصور رضا قادری، علامہ شاد حسین گردیزی، پیر عبد القادر، پیر سید حسین الدین شاہ سلطان پوری، پیر محمد اعجاز حسین رامپوری، پیر سید امیر شاہ گیلانی کے صاحبزادگان، سیفی برادران، دعوت اسلامی کے اسلامی بھائی، وکلاء برادری، سیرت کمیٹی کے عہدیداران اور صحافی حضرات سبھی لوگ افسردہ نظر آئے۔ تدفین کے بعد پھول کی پتیاں نچھاور ہوئیں۔ اور آخر میں اس فقیر بے نوا نے دعا کروائی۔

واسطہ پیارے کا جو سنی مرے
یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن صالح ملا
فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

(رضا)

اللہ عالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و الہ و اصحابہ اجمعین ۔

نفاست نامے

۱۱ اپریل ۲۰۱۵ء

بملاحظہ گرامی جناب محمد منیر رضا قادری رضوی صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید واثق ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ موبائل فون پر گاہے بگاہے آپ سے رابطہ ہوتا رہتا ہے۔ محسن اہل سنت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے بعد خدشہ تھا کہ ''جہان رضا'' کہیں بند نہ ہو جائے مگر آپ جیسے مجاہد اہل سنت کا انتخاب قدرت نے

ایسے کیا کہ ''جہان رضا'' اسی آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ یہ یقیناً اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے۔ اور آپ کی جرأت و استقامت ہے۔ فقیر آپ کی اس کاوش پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔ آپ ضرور کوشش فرمائیں کہ حلقۂ رضا میں سے ایک مجلس ادارت تشکیل دے دیں تا کہ جہان رضا خوب سے خوب تر کی جانب رواں دواں رہے۔ آپ نے یہ کمال بھی کیا ہے کہ ''جہان رضا'' کے پرانے قارئین کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ اسی تسلسل کے ساتھ ان کے نام بھی ''جہان رضا'' اعزازی کے طور پر جاری رکھا۔ جن میں اس فقیر بے نوا کا نام بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل آپ کو سلامت با کرامت رکھے۔ اور آپ کے علم و عمل میں مزید برکات و توفیقات عنایت فرمائے۔ آمین۔ آپ کا یہ کارنامہ بھی اہم ہے کہ جہان رضا کے ساتھ ہر ماہ ایک نئی کتاب بھی شائع ہو کر مفت تقسیم ہو رہی ہے۔ آپ نے حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور پھر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی یادوں کو ایک مرتبہ پھر تازہ کر دیا ہے۔ اللہ کرے آپ کی زیر نگرانی مجلس رضا ہمیشہ کی طرح جاری رہے اور فیض رضا تقسیم ہوتا رہے۔

کوشش فرمائیں رضویات پر نئی کتابوں کا مختصر تعارف بھی شامل ہوتا رہے تا کہ محققین رضا کی بروقت راہنمائی ہو سکے۔ رضویات پر نئی نئی خبریں بھی جہان رضا کی زینت بنائیں اور ''نفاست نامے'' بھی ''جہان رضا'' میں شامل فرماتے رہا کریں تا کہ ''جہان رضا'' پر قارئین کے نقد و نظر اور تاثرات سے آگاہی ہو سکے۔

''جہان رضا'' شمارہ جنوری ۲۰۱۵ء کے بعد اب تک کوئی شمارہ ملا نہ ہی کوئی کتاب؟ آپ سے فون پر رابطہ کرتا رہا۔ آگاہ کیا۔ لیکن آج تک جہان رضا جنوری ۲۰۱۵ء کے بعد نہ آیا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جہان رضا برابر شائع ہو رہا ہے؟ اگر ہو رہا ہے تو مہربانی فرما کر جنوری ۲۰۱۵ء کے بعد والے شمارے اور کتابیں ارسال فرما دیں تا کہ لائبریری میں جہان رضا اور مجلس رضا کی مطبوعات کا ریکارڈ مکمل کیا جا سکے۔ آپ پہلی فرصت میں یہ کام فرمائیں ورنہ ریکارڈ نامکمل رہ جائے گا؟

جہان رضا شمارہ جنوری ۲۰۱۵ء خوب تر ہے۔ لیکن اداریہ نہ ہے۔ اداریہ ضرور لکھیں اگرچہ مختصر ہی ہو۔ ''تبرکات رضا سے مقام ولادت حضور صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم تمام

نعتوں کی اصل ہے۔'' شامل ہے جو قلب وجگر کو تازگی اور ایمان کو حلاوت پہنچا رہا ہے۔ آپ کا حسن انتخاب بہت ہی اچھا ہے۔ مولانا محمد علی فاروقی جو محسن ملت کے جانشین ہیں، کی تحریر ''گنبد خضریٰ اور یہودی مشن'' میں انکشافات ہیں۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مفتی محمد سلیم قادری کا مقالہ ''بول بالا ہے ترا، ذکر ہے اونچا ترا'' پڑھتے ہوئے سرور آجاتا ہے۔ مولانا قاری عبدالرحمٰن رضوی نے ''حق بیانیاں'' میں حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ ڈاکٹر محمد اسد نے ابوالمساکین مولانا محمد ضیاء الدین مدیر تحفہ حنفیہ کے احوال وآثار سے آگاہ فرمایا ہے۔ خلیل احمد رانا کو آپ نے کہیں سے ڈھونڈ نکالا ہے۔ یہ مدت سے غائب تھے آپ مفسر قرآن الامام الشیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی المصری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت قارئین کے سامنے لاتے ہیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ والسلام مع الکرام

احقر: صابر حسین

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

۸۶ـ

محترم المقام جناب محمد منیر رضا صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی۔

آپ کی جانب سے جب بھی جہان رضا موصول ہوتا ہے تو قبلہ علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی یادیں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں۔ زیر نظر مکتوب کا لفافہ، ان کی زندگی ہی میں لکھے گئے ایک مکتوب کا ہے جو کافی طویل تھا اور انہوں نے محترم مختار حق عالم کو پروف خوانی کے لیے دیا تھا۔ وفات پر انہوں نے مجھے کمپوز شدہ مسودہ دکھایا تھا لیکن اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ خود راہی ملک بقا ہوئے۔ کاش! وہ خط چھپ جاتا۔ ممکن ہے اس کا مسودہ ان کے فرزند ارجمند...... کے پاس ہو۔

قبلہ فاروقی صاحب کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ نے ''جہان رضا'' کا معیار قائم رکھنے کے لیے کافی محنت کی ہے اور توجہ دی ہے۔ آپ کے انتخاب میں تنوع بھی ہوتا

ہے۔ اس کے لیے آپ ہر لحاظ سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ آج کل طبیعت مضمحل رہتی ہے چونکہ عرصہ سے قلب اور ذیابیطس کا مریض ہوں اس لئے کچھ کام نہیں ہوتا۔ ارادہ ہے کہ فاروقی صاحب پر اپنی یادوں کے حوالے سے کچھ لکھوں (انشاء اللہ) ضرور لکھوں گا۔ یہ مجھ پر قرض بھی ہے اور فرض بھی۔

آپ ہر جریدہ کے ساتھ ایک مجلّہ بھی ضرور بھیجتے ہیں۔ یہ پمفلٹس بہت کام کے ہیں اور وقت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں کیونکہ ''بدمذہبی'' کی اشاعت کرنے والے بہت مؤثر ہیں۔ ستم ظریفی ہے کہ مولوی حسین احمد دیوبندی کے پیروکار آج کل وطن عزیز پاکستان کے ''مامے'' بنے ہوئے ہیں اور یہاں دیوبندی شریعت کی آڑ میں ''وہابی ازم'' پھیلانے کے لیے سرگرم عمل ہیں اس کے مقابلے میں اہل سنت وجماعت کے نام نہاد دعویدار خواب خرگوش میں مبتلا ہیں اور اپنے فرائض سے بے خبر ہیں۔ مشائخ عظام بھی جبہ ودستار کی نمود ونمائش میں ''سرمست'' ہیں۔ بلکہ اب تو ایک بدطینت شخص نے دھوکہ دینے کے لیے ''اہل سنت و الجماعت'' کے نام سے تنظیم بنالی ہے جس پر کسی نے احتجاج یا اعتراض نہیں کیا۔ سخت مقام افسوس ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ حکومت سے احتجاج کیا جاتا تاکہ وہ کہیں اسے ''رجسٹرڈ'' نہ کر لے۔

زیر نظر شمارے میں آپ نے ''امام الشاہ احمد رضا خان'' کے متعلق تین چار مبسوط مضامین پیش کئے ہیں۔ اہل سنت کے رسائل کو چاہئے کہ وہ صرف ان کے یوم ولادت یا یوم وفات پر ہی ان سے متعلق شائع نہ کریں بلکہ ہر شمارے میں ان کی شخصیت اور تعلیمات کے حوالے سے مضامین ضرور شائع کریں تاکہ مخالفین کا توڑ کیا جا سکے۔

مخلص: سعید بدر

باسمہٖ تبارك و تعالیٰ

عزیز مہرباں محمد منیر رضا قادری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی عنایات مرسلہ نظر نواز ہوئیں۔ ''جہانِ رضا'' نشاۃ ثانیہ میں آپ کی کاوش حسین انداز میں منصۂ شہود پر جگمگاتی ہوئی اس فقیر کم نوا تک بھی رسید ہوئی۔ صد شکر کہ جہانِ رضا ایک

بار پھر آغوشِ فنا میں گم ہونے سے محفوظ رہا۔ مسلم کتابوی اور آپ کے ارتباط وارتفاق نے محبانِ رضا کو مسرت وانبساط کا موقع فراہم کردیا۔ اس باب میں سبھی ارباب نقد ونگارش لائق تحسین ہیں اور خود آپ کی جماعت بھی جوزرِ کثیر صرف فرما کر قلوب واذہان کی تسکین وترویج کا سامان مہیا فرمارہے ہیں اور علمی ادبی ذوق کو بھی جلا بخش رہے ہیں......

آپ کے انتباہ کے پیش نظر یہ کہن سال اپنا عریضہ پیش خدمت کررہا ہے۔ اسی پتہ پر اپنی برکات کو ارسال فرماتے ہیں...... فقیر اس بار ایک نظم اعلیٰ حضرت کی نسبت سے بھیج رہا ہے اگر لائقِ اشاعت ہو تو بصد شکریہ جہانِ رضا کا حصہ بنادیں...... فقیر نے اعلیٰ حضرت کے فارسی قصیدہ جو شجرۂ طیبہ سے متعلق ہے کا تشریحی ترجمہ کر رکھا ہے۔ ابھی بیس بائیس اشعار کا ترجمہ ہوا ہے اگر آپ اسے سلسلہ وار طبع کرکے شائع فرماسکیں تو میں بھیجتا رہوں گا۔ دوتین شعروں کا ترجمہ شائع فرماسکتے ہیں آسانی سے...... اسی طرح اُردو دیوان کی کوشش تھی کسی زمانے میں ایک شعر کی تشریح چھپی تھی......

آپ اور آپ کے احباب کو سلام۔

فقط: پروفیسر عبدالحق
گڑھی احمد آباد، گجرات

جہاد بالسیف جہاد بالنفس جہاد بالقلم

کفر و الحاد کے خلاف ہر محاذ پر قیامت تک جہاد جاری رہنا چاہیے

مرکزی مجلس رضا لاہور

(موسسہ : ۱۹۶۸ء)

جہاد بالقلم

جاری رکھے ہوئے ہے!

آپ بھی مجلس رضا کی رکنیت اختیار فرما کر
اس جہاد میں شمولیت کا شرف حاصل کریں۔